بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمحہ لمحہ زندگی

صابر کاغذنگری

قیمت : ساٹھ روپے

زیرِ اہتمام: "گونج پبلیکیشنز" ۴-۱-۳۵/۲، اعظم روڈ، نظام آباد-503001 (اے پی)

نام کتاب : "لمحہ لمحہ زندگی" (شعری مجموعہ)

نام مصنف : صابر کاغذنگری

سن اشاعت : جولائی ۱۹۹۶ء

تعداد اشاعت : ایک ہزار

سرورق : ضیاء الدین صابری

خوشنویس : محمد یوسف رضا، 13-5-279/2/2/1

تعلیم عملہ پور، کاروان، حیدرآباد 500267

طباعت : اعجاز پرنٹنگ پریس، چھتہ بازار، حیدرآباد

ناشر : گونج پبلیکیشنز، نظام آباد

قیمت : ساٹھ روپے

کتاب ملنے کے پتے • حسامی بکڈپو، مچھلی کمان، حیدرآباد • "ادارۂ گونج"

2/35-1-4، اعظم روڈ، نظام آباد، آندھراپردیش 503001

• صابر کاغذنگری D/450 - ایس پی ایم نیو کالونی، سرپور کاغذنگر 504296

• جناب نورالدین، بلڈنگ F - گراؤنڈ فلور، ہنجر نگر پمپ ہاؤس

اندھیری (ایسٹ) ممبئی 400099

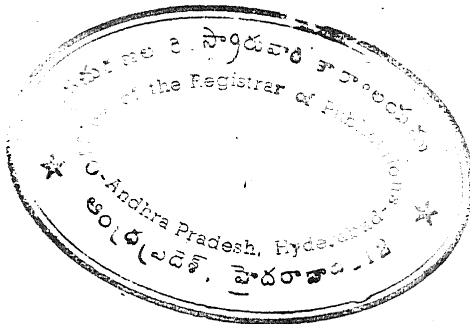
• ــــــ ادیرا برتیع ہاؤس، عظمت پورہ، کریم نگر، آندھراپردیش

• جناب محسن جلگانوی، 1/725، ریلوے کالونی، نارتھ لالہ گوڑہ، سکندرآباد

آندھراپردیش، 500017

اظہارِ تشکّر

میں شکر گزار ہوں
جناب کے۔ ایم بھاٹیہ صاحب
ایگزیکیٹیو ڈائریکٹر سرپور پیپر ملز کا
جن کی حوصلہ افزائی اور تعاون سے
اس کتاب کی اشاعت ممکن ہو سکی۔



اِنتساب !

اپنے معزّز و محترم چچا جناب محمد بدرالدین صاحب
(کنٹراکٹر) کے نام! جنہوں نے میری تربیت فرمائی
اور جن کی آرزو ہے کہ مَیں آسمانِ شعر و ادب پر
بدرِ کامل بن کے چمکوں ۔۔۔

طے کیا ہے درد کا لمبا سفر
لمحہ لمحہ زندگی کے واسطے

ـــــــ صابر کاغذنگری

"لمحہ لمحہ زندگی" پر ایک نظر

شاعری کا مطالعہ زندگی کو سمجھنے اور سمجھانے کا ایک ذریعہ بھی ہے، یہ نظریہ کوئی نیا نہیں، مشرق یا مغرب میں اس بات کو حتمی طور پر مانا گیا کہ شاعری میں ادراک اور تخیل کی مدد سے مسرت اور صداقت میں امتزاج پیدا کیا جا سکتا ہے، مشہور مفکر کارلائل کی نظر میں شاعری "ترنم خیال" کا دوسرا نام ہے اور شیلے اس کو "جذبۂ اظہار" سمجھتا ہے۔ اسی طرح مختلف مفکرینِ ادب نے شاعری کو انسانی حیات کے لئے لازم گردانا ہے۔ اصنافِ ادب میں غزل کا مزاج، اس کا رنگ و آہنگ، بڑی حد تک انسانی طبائع کو متاثر کرتا ہے۔ اس میں جمالیاتی قدریں اور موضوعات کی فراوانی بھی ملیگی، ہماری صدی کے نصف اوّل سے انہی رجحانات کی عکاسی ہوتی رہی ہے اور آج بھی یہ منہاج و طریق قابلِ قبول اور پسندیدہ ہے۔

صابر کاغذنگری ایک نوجوان شاعر ہیں جن کے ہاں فن و فکر کا توازن بآسانی محسوس کیا جا سکتا ہے اور یہ ہماری غزل کی آبیاری کے لئے ناگزیر ہے، فنی لحاظ سے شعر اور وزن کو لازم و ملزوم کہا گیا ہے۔ سر فلپ سڈنی نے وزن کو شعر کا لباس اور زیور سے تعبیر کیا ہے۔ مولانا حالی نے بھی وزنِ شعر کی حمایت کی ہے۔ اس نظریہ کے متعلق کافی بحث و مباحثہ ہوا، اعتراف و انحراف کے قطعِ نظر شعری حسن اور مضمون آفرینی

کے لئے اس کو احسن سمجھا گیا، خصوصیت سے غزل کے بانکپن کا انحصار لفظیات کے استعمال، جذبات واحساسات کی تزئین کاری پر ہے، اس کے ساتھ ساتھ وزن شعری کی اپنی اہمیت ہے۔ اردو غزل میں صناعی اور حقیقت نگاری کی "طرح" عرصہ ہوا کچھ اس انداز سے ڈالی گئی کہ اس کا رنگِ تغزل سادگی، نرمی، شیرینی، حلاوت اور سوز وگداز سے مربوط ہو گیا۔ بقول ڈاکٹر یوسف حسین خاں:

> "غزل کے اشعار جس آہنگ، احساس اور آہنگِ سماعی کو ایک لطیف ربط کے ساتھ پیش کرتے ہیں وہ نہ کسی اور صنفِ سخن میں میسّر آسکتا ہے اور نہ کسی دوسری زبان میں منتقل کیا جاسکتا ہے۔"

غزل کی انفرادیت وبانکپن نے اپنے سفرِ حیات میں نہ جانے کتنے ہی مسائل اور کیفیات وموضوعات کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں، انہیں اعجاز عطا کیا، اپنی ہمہ جہتی، رعنائی ودلجوئی سے متاثر کیا، اس کے اعادہ کی یہاں چنداں ضرورت نہیں ہے۔

سبھی جانتے ہیں کہ آج کا شاعر اپنے اطراف واکناف پھیلے ہوئے لاتعداد واقعات کی ترجمانی کرنے کو اوّلین ترجیح دیتا ہے۔ اس کے ذہنِ رسا کی کشمکش جب صفحۂ قرطاس پر ابھرتی ہے تو ہم بے ساختہ اس شاعر کی فکری تخلیقی صلاحیت کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے اور شاید قدر افزائی کی یہ رسم فنکار کے حوصلہ اور اس کی جولانیٔ طبع کو جِلا بخشتی ہے۔ اب اس امر کی کوئی تخصیص نہیں کہ شاعر کا مقام دمِ تنبیہ کیا ہے، وہ کس مکتبِ خیال کا پابند ہے، ادھر پچھلے دو دہوں سے دکن خصوصاً حیدرآباد اور اس کے قریبی اضلاع میں شعروادب کا ذوق وشوق روز افزوں

رہا ہے۔ کم و بیش سبھی ضلعوں میں ادبی انجمنیں اور اداروں کے زیر اہتمام شاعروں کا انعقاد نہایت خوش آئند بات ہے۔ نئے نئے شعراء کو متعارف کروانے میں اس طرح کی ادبی نشستیں بڑی کارآمد ثابت ہوئیں اور ایک قابل لحاظ شعراء کی تعداد اپنے اپنے "حسن کمال" کے ساتھ سامنے آئی۔ یہاں البتہ ایک بات گوش گزار کرنا ضروری ہوگی کہ ہمارے بہت سارے شعراء محض غزل گوئی سے دلچسپی رکھتے ہیں جبکہ دیگر اصناف سخن سے ناشناسی کا رجحان عام ہے۔

صابر کاغذ نگری کا شمار بھی ایسے ہی غزل گو شاعروں میں کیا جاسکتا ہے جنہوں نے محض غزل گوئی کو اپنا مطمح نظر بنایا ہے۔ "لمحہ لمحہ زندگی" عنوان کے تحت صابر نے زندگی کی تلخیوں، کرداہٹوں، آلام و آفات ہی نہیں بلکہ خوشیوں، مسرتوں، امیدوں، آرزوؤں و تمناؤں کو بڑے سلیقے اور شائستگی سے پیش کیا ہے۔ انہوں نے موجودہ نظام حیات اور اس کے مسائل پر جب بھی گفتگو کی اس میں اعتدال و منضبط پیرایے کو استعمال کیا، ان کی ذہنی اپج کاوش و آسودگی سے زیادہ فکر و تردد سے ہمکنار ہے۔ ان کے ہاں ایسے اشعار صاف پڑھے جاسکتے ہیں جن میں درد و کرب، احساس زیاں اور بے چارگی جھلکتی ہے۔ وہ دانستہ اور شعوری طور پر "شخص اور عکس" سے زیادہ "شخص اور شخصیت" کی باتیں کرتے ہیں۔ اس ضمن میں ان کا کلک قلم تخیلاتی و محاکاتی دنیا کی سیر نہیں کراتا بلکہ عصر حاضر کے جیتے جاگتے مسائل کی تفسیر کرتا ہے۔ "لمحہ لمحہ زندگی" کی غزلیں قاری کو چونکا دیتی ہیں۔ یہ دراصل شاعر کا کمال، اس کا مطالعہ اور اس کی استعداد ہے۔ اس مرحلہ پر صابر کا لب و لہجہ منفرد نظر آتا ہے۔ ان کے اسلوب کی شناخت کی توثیق ذیل کے اشعار سے کی جاسکتی

میں اس کی تسکین تلاش کرتے ہیں۔ اس شعری انتخاب میں چند ایک اشعار ایسے بھی نظر آئے جن کا راست تعلق صابر کے اس رشتۂ محبت و مودت سے ہے جسے ہم روح کی آواز سے تعبیر کر سکتے ہیں، دو ایک شعر دیکھئے :-

درجے ہوئے بلند، مقدر سنور گیا
جس وقت با اثر میری ماں کی دعا ہوئی

تم اپنی ذات میں اک انقلاب پاؤ گے
طواف کعبہ اگر ایک بار کر دیکھو

یہ دن تجھے نہ رات کے دریا میں ڈال دے
اب تو اٹھا لے ہاتھ مناجات کے لئے

ویسے بھی "لمحہ لمحہ زندگی" کے ابتدائی صفحات میں حمد اور نعت کے اندراج سے صابر نے اپنے جذبات دلی کا اظہار کیا ہے

عبارت مختصر، صابر کا غذ نگری کے اس شعری انتخاب کے مطالعہ سے اس بات کی بجا طور پر امید کی جا سکتی ہے کہ وہ مستقبل میں اس سے بھی بہتر اور خوبصورت انتخاب پیش کر سکیں گے کیونکہ ان کی فطری صلاحیت، اور استعداد کے جوہر ابھی اور کھلنے ہیں اور مشق و مزاولت نیز کلاسیکی اقدار و روایات سے اکتساب کو ان کی شاعری کا محور بھی بننا ہے۔

لمحہ لمحہ ہلکی ہے، لحظہ لحظہ بھاری ہے
زندگی تماشہ ہے، آدمی مداری ہے

گر بولتے تو اس کا ہر اک راز کھولتے
لیکن زباں کو دل سے اجازت نہ مل سکی

کوئی تو بات کرو رنجشیں مٹانے کی
بہت ہی گرم ہے یارو ہوا زمانے کی

آدمیت تو کہیں ملتی نہیں
نام کا بس آدمی ہے آج کل

ہر ایک زخم ہے آئینہ اپنے ماضی کا
تو کیوں یہ عکس مٹانے کی بھول کرتا ہے

مسرت کہاں آج کی زندگی میں
بہلانے کو آنسو بہانے بہت ہیں

اوروں کی نظر سے کبھی خود کو بھی پرکھنا
شیشے میں سبھی عیب دکھائی نہیں دیتے

میں نے کیا ہے عشق کوئی جرم تو نہیں
سر پہ اٹھائے پھرتے ہو کیوں سارا آسماں

فرصت سے تم ملو تو غمِ دل سنائیں ہم
اب یوں کرو نہ ہم سے ملاقات سرسری

صابر کی جذباتی کیفیت کبھی کبھی شدت اختیار کر جاتی ہے اور وہ روایت نگاری

میں اس کی تسکین تلاش کرتے ہیں۔ اس شعری انتخاب میں چند ایک اشعار ایسے بھی نظر آئے جن کا راست تعلق صابر کے اس رشتۂ محبت و مودت سے ہے جسے ہم روح کی آواز سے تعبیر کر سکتے ہیں، دو ایک شعر دیکھیے :-

درجے ہوئے بلند، مقدر سنور گیا
جس وقت با اثر میری ماں کی دعا ہوئی

تم اپنی ذات میں اک انقلاب پاؤ گے
طواف کعبہ اگر ایک بار کر دیکھو

یہ دن تجھے نہ رات کے دریا میں ڈال دے
اب تو اٹھا لے ہاتھ مناجات کے لئے

ویسے بھی "لمحہ لمحہ زندگی" کے ابتدائی صفحات میں حمد اور نعت کے اندراج سے صابر نے اپنے جذباتِ دلی کا اظہار کیا ہے

عبارت مختصر، صابر کاغذگری کے اس شعری انتخاب کے مطالعہ سے اس بات کی بجا طور پر امید کی جا سکتی ہے کہ وہ مستقبل میں اس سے بھی بہتر اور خوبصورت انتخاب پیش کر سکیں گے کیونکہ ان کی فطری صلاحیت، اور استعداد کے جوہر ابھی اور کھلنے ہیں اور مشق و مزاولت نیز کلاسیکی اقدار و روایات سے اکتساب کو ان کی شاعری کا محور بھی بننا ہے۔

تاہم "لمحہ لمحہ زندگی" کی اشاعت پر ان کی ہمت و حوصلہ کی داد دیتا ہوں کیونکہ بقول صابر کاغذ نگری ؎

زندگی کو عجب نہیں لکھا
میں نے کچھ بے سبب نہیں لکھا

عقیل ہاشمی
۹۶-۶-۱۴

عقیل ہاشمی
چیرمین بورڈ آف اسٹڈیز
شعبۂ اردو، جامعہ عثمانیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ خیر ــــــــ

"لمحہ لمحہ زندگی" صابر کاغذ نگری کا پہلا شعری مجموعہ ہے جس میں ان کی
رف غزلیں ہی شامل ہیں۔ ہر چند کہ صابر نے حمد، نعت، نظم، قطعات اور دیگر
صناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے لیکن ان کا اپنا بیان ہے کہ غزل کی صنف ان کے
، کو لگتی ہے۔ آج غزل اپنے روایتی مفہوم کی حدود سے نکل کر اس قدر وسعت
ختیار کر چکی ہے کہ اس نے ذات سے لے کر کائنات تک کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔
صابر کی شاعری کی مختلف پرتیں ہیں اور ان کی غزل کی مختلف جہتیں، ان میں سے ایک
ہت تو وہ ہے جس میں ان کی جمالیاتی حس کی فراوانی ہے۔ احساس کی اس رو سے
ار ممکن نہیں۔ عام فرد کی طرح ایک تخلیق کار بھی سماج کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ اس کا
حبوب بھی چلتا پھرتا گوشت کا پیکر ہے جس کے دل کی دھڑکنیں تخلیق کار کے جذبات
احساسات کو برانگیختہ کرتی ہیں۔ اپنے محبوب کے ساتھ گزرے قربت کے لمحے،
صل کی ساعتیں، ہجر کی راتیں، دوریاں، تنہائیاں، جدائی، مجبوری، محرومی اور شکست
یخت تخلیق کار کے احساس کو مہمیز عطا کرتے ہیں۔ عام فرد کا المیہ یہ ہے کہ وہ
پنے احساس کی ترسیل کے فعل میں مجبوری کا شکار ہوتا ہے، لیکن تخلیق کار اس فعل
، خود مختار ہوتا ہے کہ وہ اپنے احساسات کو تخلیق کی صورت دیگر جذبوں کی ترسیل

کرتا ہے۔ حسن اور عشق ماورائی شے نہیں، دونوں ہی لازم وملزوم ہیں۔ ان کی سرشت سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا۔ جمالیاتی حِس کی پرکاری جب کُھلتی ہے تو وجدان وکیف کے چشمے اُبلتے ہیں۔ صابرؔ کی غزل کا بیشتر حصّہ کلاسیکی ڈکشن سے مزیّن ہے، انھوں نے وسیع پیمانے پر زمینِ غزل کی آبیاری کی ہے لیکن ان کا اسلوبِ شاعری مکمل طور پر خالص روایتی ہے نہ سکّہ بند، غیر روایتی غزل میں ان کی اپنی قلبی وارداتیں اور غمِ جاناں کا اظہاران کے جمالیاتی ذوق کی تسکین کا سامان فراہم کرتا ہے۔

صابرؔ کاغذنگری کا نام ان کے خوبصورت ترنم اور مترنم شاعری کی وجہ سے اُردو کے دور دراز کے علاقوں میں مقبول رہا ہے۔ لیکن ان کی شاعری کی ترنم ریزی ہی ان کا سب کچھ اثاثہ نہیں۔ ان کی شاعری کا وصف ان کے زبان وبیان کی سادگی اور عام فہمی میں ہے انھوں نے وضاحت وصراحت کے اسلوب میں اپنی بات قاری تک پہنچانے کے ہنر میں دسترس حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ جب جب غمِ جاناں کی گفتگو ان کے یہاں چھڑی اور حسن وعشق کی حکایتوں کا بیان ہوا ان کے ذہن کی قوسِ قزح نے فضاء اور ماحول کو شفق رنگ بنا دیا ؎

پیکر ہے کہ پانی میں نہاتا ہوا سورج
چہرہ ہے کہ کھلتا ہوا اک پھول کنول کا

٭٭٭

خوشبو کی طرح آؤں گا چھونے ترا بدن
چہرے پہ ترے رنگِ شفق چھوڑ جاؤں گا

٭٭٭

یہ کیا کمال ہے ترے حسن وجمال کا
جو رنگ تو پہن لے وہ گہرا دکھائی دے

رات بھر وہ رہا ہے آنکھوں میں
صبح ہوتے ہی گھر گیا کوئی

٭٭٭

پہلے تو اس سے اپنا تعلق بنایئے
خط اسکا لیکے چھت پہ کبوتر بھی آئے گا

٭٭٭

خیّام کی رباعی کہ غالب کی اک غزل
وہ تھا شرابِ شعر و سخن سے دھلا ہوا

٭٭٭

صابرؔ اس شخص سے لوگوں کا تعلق یوں تھا
اس کی بات آئی تو آنکھوں سے سمندر نکلے

٭٭٭

ہر چند کہ انہوں نے اپنے اظہار کے ذریعہ حسن و عشق، جانِ جاناں کی حکایات کی عکاسی کی لیکن ان کے یہاں غمِ جاناں کے ساتھ ساتھ غمِ دوراں کا عکس بھی زندگی کے درد و کرب اور عصری مسائل کے تجزیہ سے عبارت رہا ہے۔ یوں نہیں کہ انہوں نے نئے الفاظ، نئی تراکیب، استعاروں اور علامتوں سے آنکھیں بند کر لی ہوں، بلکہ ان کے نئے لہجہ کے اظہار میں عصری حسیّت اور عام فرد کی زندگی کے مسائل و موضوعات کا اہتمام بھی ہے۔ مجھے صابرؔ کے طرزِ احساس کے ان مقامات نے زیادہ متاثر کیا جہاں انہوں نے اظہار کو نئے استعاروں اور علامتوں کے ساتھ نیا رنگ و روپ دینے کی مساعیٔ جمیلہ کی ہے۔ میرا احساس ہے کہ طرزِ اظہار

کی یہ چنگاری ابھی ابھی ان کے خاشاک میں در آئی ہے، اسے ابھی آگ بننا ہے، جیسے جیسے اسے ہوا لگے گی وہ شعلہ بھی بنے گی۔ اسلوب و اظہار کے امکانات کا یہ پرتو جن میں نئے لفظ، نئی تراکیب، نئی علامتوں سے استفادہ کا عمل کھل کر آیا ہے ان کے درجِ ذیل اشعار میں واضح طور پر دیکھنے کو ملتا ہے:

پودا لگاتے ڈرتے ہیں یہ سوچ کر ہی لوگ
آنگن میں پیڑ ہوگا تو پتھر بھی آئے گا

٭٭٭

اس سے رشتہ ہے مرا، اس کی دلالت یہ ہے
مرے آنگن میں اٹھی ہی نہیں دیوار ابھی

٭٭٭

میں اپنے گھر کے اندھیرے سے خوف کیا کھاتا
اُجالا سلنے والے مکان میں بھی نہ تھا

٭٭٭

بلوہ، فساد، خون، تشدد کی دوڑ میں
لمحوں میں کالی صبح کے اخبار بک گئے

٭٭٭

جائیں بازار تو پھر لوٹ کے آئیں کیسے
آج کل شہر کے حالات سے ڈر لگتا ہے

٭٭٭

شاعر نے جس عہد میں اپنی شاعری کی ابتدا کی اس عہد میں

ترقی پسند شاعری کی رَو چل رہی تھی، اس شاعری نے پوری نسل کو متحرک اور متاثر کیا تھا۔ اس لئے ان کی شاعری میں زندگی کے مسائل، سماجی و اخلاقی انحطاط کے خلاف احتجاج، تغیّرات و انقلاباتِ دہر کے اثرات، سیاسی ہنگامہ خیزیاں، معاشرتی پستی، سماجی اور انسانی تفکرات و طرزِ زندگی کے قضیہ جات، متغیّر اقدار کے پرتو ایسے موضوعات کہیں واضح اور کہیں غیر واضح انداز میں ملتے ہیں۔ وہ ایک حساس ذہن اور درد مند دل رکھتے ہیں اسی لئے نفسیاتی مسائل پر ان کی نگاہ گہری ہے۔ رشتوں کی کج روی انہیں کھلتی ہے۔ تعلقات کی بے وفائیاں انھیں دکھ پہنچاتی ہیں۔ ان کی شاعری میں اچھائی، برائی، نیکی، بدی، اجالے، اندھیرے ایسے مسائل جگہ پاتے ہیں اور ان کی شاعری کا موضوع بنتے ہیں۔ ان کی سرشت نے انہیں حد درجہ حساس بنا دیا ہے جو ان کی ذہنی فکر کے وجود کا حصّہ بن گیا ہے، اسی وجہ سے ان کے اظہار میں طنز و تشنیع کی موجودگی کی غمّازی ان کے لہجہ سے ہوتی ہے۔ لیکن طنز کا یہ لہجہ مشتعل کرنے والا نہیں بلکہ حلاوت والا ہے:

یزیدِ وقت کا لشکر ہے کیا کیا جائے
اکیلا سبطِ پیمبر ہے کیا کیا جائے

٭٭٭

صداقتوں سے عبث انحراف مت کرنا
کہ میرے بھائی کو میرے خلاف مت کرنا

٭٭٭

صابرؔ چلے تھے ہم بھی وفا کو تلاشنے
لیکن کہیں ہمیں یہ روایت نہ مل سکی

٭٭٭

ہمارے لفظ تھے خنجر مگر تم اپنی کہو
کہ حرفِ شہد تمہارے بیان میں بھی نہ تھا

٭٭٭

کیا عجیب تھے لوگ جو کرتے رہے
دوستی بھی دشمنی کے واسطے

٭٭٭

ایک اہم بات یہ ہے کہ ادبی مراکز سے دور کاغذنگر ایسے صنعتی مقام پر صابر کاغذنگری اپنی ادبی شناخت بنانے میں مصروف ہیں۔ ان کی شاعری کی عمر بہت زیادہ نہیں۔ گو کہ اس شعری تصنیف میں پیش کردہ ان کی شاعری بہت زیادہ مربوط و مستقل نہیں۔ بہت ممکن ہے کہ ان کے کلام میں یہاں وہاں کچھ فنی سقم کھا تھے بھی ہوں، لیکن تسامحات تو ان شاعروں کے یہاں بھی کثرت سے مل جاتے ہیں جن کے کئی شعری مجموعے منظرِ عام پر آچکے ہیں اور جنہیں خود ساختہ معتبری کا دعویٰ بھی ہے۔ صابر کو ایسا کوئی زعم ہے نہ دعویٰ۔ نہ انہوں نے کسی سے تلمذ حاصل کیا نہ دربدر کی ٹھوکریں کھائیں۔ اپنی خود روی کا جو پودا انہوں نے لگایا ہے اسے پیڑ بنانے کے لئے مسلسل آبیاری کی ضرورت ہے۔ خوشی اس بات کی ہے کہ اس شعری مجموعہ میں جو کچھ بھی اثاثہ تمازت ہے ان کا اپنا ہے مانگے کا اُجالا نہیں۔

—— محسن جلگانوی

حرفِ چند

میں نے ۴ر فروری ۱۹۵۳ء کو ضلع کریم نگر کے ایک چھوٹے سے قریہ امیال پور میں ایک متوسط گھرانے میں ڈاکٹر تاج الدین صاحب کے گھر میں اپنی آنکھیں کھولیں۔ میری ابتدائی تعلیم گھر پر اور پرائمری سے انٹرمیڈیٹ تک کی تعلیم اپنے چچا محترم بدرالدین صاحب کنٹراکٹر (سرپور کاغذ نگر) کے زیر نگرانی گورنمنٹ جونیئر کالج کاغذ نگر میں ہوئی۔ انہی کی شفقتوں نے میری علمی و ذہنی تربیتوں کو اُجالنے میں مدد کی اور جینے کا حوصلہ عطا کیا۔ میرا نام چونکہ محمد منتجب الدین صابر ہے اسی مناسبت سے عرفیت صابرؔ کو تخلص اختیار کر لیا، ادبی دنیا میں صابرؔ کاغذ نگری کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہوں۔

میری شعر گوئی کا سفر ویسے تو زمانۂ طالب علمی سے شروع ہو چکا تھا لیکن ۱۹۷۴ء سے باقاعدہ مشاعرے پڑھنے لگا ہوں۔ ملک کے متعدد نامور شاعروں کے ساتھ ریاستی اور کل ہند سطح کے مشاعروں میں شرکت کا شرف حاصل رہا ہے۔ میرا کلام مختلف ادبی و نیم ادبی جرائد میں مسلسل شائع ہوتا رہتا ہے۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر بھی نشر ہوتا رہا ہے۔ پچھلے سولہ برس سے سرپور پیپر ملز کاغذ نگر کے سنٹرل لیب ڈپارٹمنٹ میں سینئر لیب اسسٹنٹ کی خدمت پر مامور ہوں۔ پچھلے ایک دہے سے مقامی فعّال

ادبی تنظیم "بزمِ اردو ادب کاغذ نگر" کے جنرل سکریٹری کے ساتھ ساتھ انجمن ترقی اردو شاخ کاغذ نگر کی معتمدی کے فرائض بھی انجام دے رہا ہوں۔

میری دانست میں شاعری محض الفاظ برتنے کا فن نہیں بلکہ جذبات و احساسات کے اظہار کا نام شاعری ہے۔ شعر زندگی سے عبارت ہوتا ہے۔ جب زندگی کا ایک مقصد ہے تو پھر بے مقصد اور بے راہ شاعری کوئی معنیٰ نہیں رکھتی۔ مجھ سے جہاں زندگی کے نشیب و فراز کی بدلتی قدروں نے شعر کہلوائے، رشتوں، ناطوں کے تغیرات کی تلخیاں اور تجربے بھی میرے اظہار میں آئے۔ ان کے علاوہ معاشرہ میں اخلاقی گراوٹ، قدم قدم پر ناانصافیاں، محرومیاں، آلام و مصائب، ذہنی اذیتیں، نسلی منافرت، سیاسی خلفشار، فرقہ پرست ذہنیت کی شورشیں، رشوت ستانی، غنڈہ گردی، ظلم و ستم اور راست بازی کے خلاف سازشیں، ایسے ناسوروں نے پورے سماج میں کینسر کی طرح اپنی جگہ بنالی ہے، یہ زندگی کے مسائل ہیں۔ اسی دائرے میں اخلاق کی اصلاح، معاشرے کی تعمیر، انسانی دردمندی، بھائی چارگی، اخوت و محبت کی ترویج کے لئے آواز اٹھانا بھی شاعری کا مقصد ہے۔ میں فرزندِ آدم کو انسانیت کی معراج پر دیکھنے کا متمنّی ہوں کیوں کہ سماج میں جو بگاڑ آیا ہے اس کی بنیادی وجہ اخلاقی پستی کے سوا کچھ نہیں۔ عملی زندگی میں اخلاقیات اور اعلیٰ قدروں کا فقدان آگیا ہے۔ میں نے اپنی شاعری میں بساط بھر کوشش کی ہے کہ کوئی تعمیری پیام فردِ عام تک پہنچا سکوں۔ میری شاعری، میرے شخصی جذبات کا اظہار ہے۔ میرا ایقان ہے کہ سچائی اور اعلیٰ قدروں کی ہمیشہ جیت ہوتی ہے، میری راست بازی اور حق گوئی نے بعض خود ساختہ انا پرستوں کے بتوں کو یہ کہنے پہ مجبور کیا ہے کہ:

تجھ سے ملنے پہ سبھی عیب عیاں ہوتے ہیں
آئینے تیری ملاقات سے ڈر لگتا ہے

میں نے نظم، حمد، نعت، قطعات اور دیگر اصنافِ سخن میں بھی طبع آزمائی کی ہے لیکن غزل کی صنف میرے جی کو لگتی ہے۔ اسی لیے اس تصنیف میں مَیں نے صرف غزل کو پیش کرنے کی جسارت کی ہے۔ شعری سفر میں میں نے کسی کے سامنے زانوئے ادب تہہ نہیں کیا ہے بلکہ میری اپنی صلاحیتیں، امنگ، لگن مری رہنما رہی ہے۔ ایک مختصر عرصہ کے لئے جب محترم فضل اللہ قریشی صاحب (آرمور) کاغذ نگر میں مقیم تھے میری شعری و ذہنی رہنمائی کا سبب رہے۔ ان کے علاوہ شہر کے ادبی و ذی شعور اصحاب کی صحبتوں میں بیٹھنے اور فیضیاب ہونے کا موقع ملتا رہا لیکن ادب و فن کے اہم مراکز سے دور اپنا مطالعہ ہی مرا رہنما رہا ہے۔

اس مرحلہ پر مجھے اپنے فن کی تکمیلیت کا دعویٰ نہیں کیوں کہ جہاں تک مرے اعتبارات کا تعلق ہے مَیں ابھی اپنے فن سے مکمل طور پر مطمئن نہیں، مَیں ادب اور فن میں خوب سے خوب تر کے حصول کا متمنی ہوں۔ ابھی وہ منزل دور ہے جس کی مجھے تلاش ہے۔ میری اپنی شعری کاوشوں کا ایک چھوٹا سا نذرانہ "لمحہ لمحہ زندگی" کی شکل میں آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اسے پڑھنے کے بعد، اس پر آپ کی گراں قدر رائے کا مَیں منتظر رہوں گا۔

صابر کاغذنگری

D/450 نیو ایس پی ایم نیو کالونی

سرپور کاغذ نگر ـ 504296

آندھرا پردیش

عرضِ ناشر

ادارۂ گونج نظام آباد کی شروع سے یہی کوشش رہی ہے کہ دکن کے قلمکاروں اور خاص طور پر ریاست آندھرا پردیش کے اضلاع اور تعلقہ جات میں مقیم قلمکاروں نیز نوجوان ادیبوں اور شاعروں کو ان کی تخلیقی صلاحیتوں کے مظاہرہ کے بہتر مواقع فراہم کرے۔ اسی مقصد کے تحت گونج پبلیکیشنز (نظام آباد) کا قیام عمل میں لایا گیا اور گزشتہ چند ہی برسوں میں متعدد کتابیں نظم و نثر گونج پبلیکیشنز کے زیر اہتمام منظر عام پر لائی گئیں۔

جناب صابرؔ کاغذنگری کا پہلا شعری مجموعہ "لمحہ لمحہ زندگی" اسی مقصد اور اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ صابرؔ کاغذنگری خوش دل، خوش فکر اور پر گو شاعر ہیں۔ اپنے دلآویز کلام اور اپنے سحر انگیز ترنم سے انہوں نے بہت کم عرصہ میں مشاعروں میں اپنے لئے جگہ بنالی ہے۔ قرب و جوار کے اضلاع اور ودربھ کے شہروں میں منعقد ہونے والے مشاعروں میں انھیں بڑے چاؤ سے سُنا اور پسند کیا جاتا ہے۔ ان کے مزاج کی طرح ان کے کلام اور ان کی آواز کی مٹھاس سامع کو سکون کی ان وادیوں میں لے جاتی ہے جہاں پہنچ کر سامع کچھ دیر کے لئے دنیا کی ہنگامہ آرائی سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور شاعری کے لطیف ماحول میں خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرتا ہے۔

صابر کاغذنگری کی غزلوں میں قاری کو وہ سب کچھ مل جاتا ہے جس کی آج کے ادب اور آج کے معاشرہ کو ضرورت ہے۔

یقین ہے کہ شعر و ادب کے شیدائی جنھوں نے مشاعروں میں صابر کاغذنگری کی بھرپور حوصلہ افزائی کی ہے، اس مجموعہ کی معرفت ان کی پذیرائی کریں گے شعر و ادب کا یہ جواں سال اور تازہ قلمکار آئندہ بھی اپنے فن اور اپنے کلام سے اردو ادب کو سیراب کرتا رہے۔

میری نیک تمنائیں صابر کاغذنگری اور "لمحہ لمحہ زندگی" کے ساتھ ہیں۔

جمیل نظام آبادی
مدیر
ماہنامہ "گونج"، گونج پبلیکیشنز
نظام آباد

حمد

تو ہی ابتداء، تو ہی انتہا، تری شان جلّ جلالہٗ
ترا وصف کوئی کریگا کیا، تری شان جلّ جلالہٗ

تو ہی سوز ہے تو ہی ساز ہے، تو ہی راز داں تو ہی راز ہے
تری ہر ادا بڑی دل رُبا، تری شان جلّ جلالہٗ

دیئے تو نے پھولوں کو رنگ و بو، کیا گلستانوں کو سُرخرو
چلے تیرے حکم سے یہ صبا، تری شان جلّ جلالہٗ

تیرے فیض عام کی بات ہے، ترے ہاتھ ساری حیات ہے
تیری رحمتوں کا ہے سلسلہ، تری شان جلّ جلالہٗ

ترا شکر، دست ہنر دیا، ہمیں عقل و نقد نظر دیا
تیرے فیض کی نہیں انتہا، تری شان جلّ جلالہٗ

تری حمد کرتے ہیں بحر و بر، ترے آگے جھکتے ہیں سب کے سر
کرے مدح صابرِ خوش نوا، تری شان جلّ جلالہٗ

نعت

دونوں جہاں میں اُس کا بھلا ہے رسولِ پاکؐ
سُنّت پہ آپؐ کی جو چلا ہے رسولِ پاکؐ

راہِ نجات پا کے ہوا کامیاب وہ
سانچے میں دین کے جو ڈھلا ہے رسولِ پاکؐ

جب جب بھی آیتوں کا نزول آپؐ پر ہُوا
اسلام اور پھُولا پھلا ہے رسولِ پاکؐ

ایماں کے زیر کرنے کو باطل کا قافلہ
تیغ و تبر کے ساتھ چلا ہے رسولِ پاکؐ

مُرجھا نہ پائے گا مرے ایمان کا شجر
ہاتھوں سے آپؐ کے جو پھلا ہے رسولِ پاکؐ

درسِ حیات آپؐ سے ہم کو یہ مِل گیا
دُنیا بھلی ہے دیں بھی بھلا ہے رسولِ پاکؐ

صابرؔ کے لب پہ کلمۂ طیّب کے ساتھ ساتھ
ہر وقت وردِ صلّے علیٰ ہے رسولِ پاکؐ

کوئی جاہ دے نہ جلال دے مجھے صرف اتنا کمال دے
ہیں ہر ایک دل کی صدا بنوں کہ زمانہ میری مثال دے

میں بلندیوں پہ رہوں مگر رہے پستیوں کی مجھے خبر
وہ عروج کر مجھے تو عطا جو کبھی نہ مجھ کو زوال دے

تری رحمتوں کا نزول ہو، میری محنتوں کا صلہ ملے
مجھے مال و زر کی ہوس نہ ہو، مجھے رزق دے تو حلال دے

میں ہوں ایک ذرۂ ناتواں، میں کسی کا درد نہ سہہ سکوں
مجھے عزم دے، مجھے صبر دے، مجھے رنج دے نہ ملال دے

مرے ذہن میں تری فکر ہو، مری سانس میں ترا ذکر ہو
ترا خوف مری نجات ہو، سبھی خوف دل سے نکال دے

تیری بارگاہ میں اے خدا مری روز و شب ہے یہی دعا
تو رحیم ہے تو کریم ہے، تو سبھی بلاؤں کو ٹال دے

میں کہ ایک بندہ حقیر سا، میرا نام صابرِ ناتواں
ترا ذکر ہی مری فکر ہے، تری فکر تیرا خیال دے

کرب و بلا کا آنکھوں میں منظر بھی آئے گا
ہمراہ آنسوؤں کا سمندر بھی آئے گا

پہلے تو اپنے آپ کو سورج میں ڈھال لو!
خود تشنگی بجھانے سمندر بھی آئے گا

تہمت ازل سے ملتی رہی ہے اسی طرح
شیشہ اگر بنو گے تو پتھر بھی آئے گا

پہلے تو اُس سے اپنا تعلق بنا لیئے
خط اُس کا لیکے چھت پہ کبوتر بھی آئے گا

پلکوں پہ اپنی چاند ستارے سجا رکھو
اِک دن حَسین خواب کا پیکر بھی آئے گا

پَودا لگانے ڈرتے ہیں یہ سوچ کر ہی لوگ
آنگن میں پیڑ ہوگا تو پتّھر بھی آئے گا

ٹکراؤ خود ہی ظُلم سے، یہ سوچ ہے غلط
گھر کو بچانے شہر سے لشکر بھی آئے گا

صابرؔ مرا عزیز جو میری نظر میں ہے
آنکھوں سے چل کے وہ مرے اندر بھی آئے گا

عجیب حرف تھا وہم و گمان میں بھی نہ تھا
کہ اُس کا ذکر کسی داستان میں بھی نہ تھا

میں اپنے گھر کے اندھیروں سے خوف کیا کھاتا
اُجالا سامنے والے مکان میں بھی نہ تھا

کچھ اس طرح سے ہر اک چھت پہ آ گیا سورج
کہ سایہ اب کے کسی سائبان میں بھی نہ تھا

بچھڑ کے پھر نہ ملے گا کبھی وہ دُنیا میں
یہ سانحہ میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا

ہر ایک چیز وہاں دستیاب تھی لیکن
بس اک خلوص کسی کی دکان میں بھی نہ تھا

ہمارے لفظ تھے خنجر، مگر تم اپنی کہو
کہ حرفِ شہد تمہارے بیان میں بھی نہ تھا

کنارے آلگی کشتی یہ معجزہ ہی ہوا
کوئی تناؤ مرے بادبان میں بھی نہ تھا

مگر شکاری نے نیچے گرا لیا اس کو
پرندہ ویسے تو اونچی اڑان میں بھی نہ تھا

یہ زندگی بھی عجب کشمکش میں تھی صابر
اک امتحان تھا مگر امتحان میں بھی نہ تھا

غریبِ شہر کو بس لاعلاج رکھتا ہے
امیرِ شہر نرالا مزاج رکھتا ہے

وہ ایک شخص ہی اس شہر میں مخیّر ہے
جو بوریوں میں چھپا کر اناج رکھتا ہے

خوش آمدید کہے گا اُسے تو مستقبل
چھپا کے وقت جو مٹھّی میں آج رکھتا ہے

اُسے ہے فکرِ شب و روز بس رعایا کی
وہ اپنے سر پہ تو کانٹوں کا تاج رکھتا ہے

جو اُس کی ذات پہ کامل یقین رکھتے ہیں
خدا تو ایسے ہی بندوں کی لاج رکھتا ہے

وہ قتل ہوتا ہے صابر جو سر اُٹھا کے چلے
یہ شہر اپنا الگ ہی رواج رکھتا ہے

قید دستِ ہنر میں رہتا ہوں
میں کہ فکر و نظر میں رہتا ہوں

اس سے کتنا قریب ہوں میں بھی
درد بن کر جگر میں رہتا ہوں

جس کے زیرِ اثر زمانہ ہے
میں اُسی کے اثر میں رہتا ہوں

معرکہ سا ہے زندگی شاید
میں کہ تیغ و تبر میں رہتا ہوں

یاد آتی ہے بے گھروں کی مجھے
جب بھی میں اپنے گھر میں رہتا ہوں

میں مسافر ہوں تیرے رستے کا
لمحہ لمحہ سفر میں رہتا ہوں

سب تماشائی دور ساحل پر
میں غموں کے بھنور میں رہتا ہوں

کوئی میری نظر میں رہتا ہے
میں کسی کی نظر میں رہتا ہوں

مجھ کو پہچانیے میں صابر ہوں
میں تو کاغذ نگر میں رہتا ہوں

برہم کبھی رہی، کبھی ہم سے خفا ہوئی
یہ زندگی تو جیسے مسلسل سزا ہوئی

جلتے بدن، سُلگتے مکان، چار سو لہو
جانے یہ کیسی شہر کی آب و ہوا ہوئی

ہم نے وفا نبھانے کی کھائی تو ہے قسم
یہ بھی اگر خطا ہے تو بے شک خطا ہوئی

ابلیس اپنے فعل پہ نادم نہیں ہوا
اُس کے لئے خود اُس کی اَنا ہی سزا ہوئی

دامن جو میں نے تھام لیا صبر و ضبط کا
آفت جو آئی سر پہ مرے وہ ہوا ہوئی

درجے ہوئے بلند، مقدر سنور گیا
جس وقت با اثر میری ماں کی دعا ہوئی

صابر نہیں ہے مول کوئی اُس کی ذات کا
جس سے کہ فیضیاب یہ خلقِ خدا ہوئی

کہیں کہانی، کہیں یاد، حادثہ پتھر
رہِ حیات میں بکھرا ہے جا بجا پتھر

حسین تاج محل کی حسیں عمارت میں
نظر نظر کو لبھاتے ہیں خوشنما پتھر

تراشا ہے اسے فنکار نے سلیقے سے
پڑا تھا راہ میں، ہے آج دیوتا پتھر

کہاں وہ خود میں، "ہے منزل کہاں" بتاتا ہے
مسافروں کا تو رہبر ہے میل کا پتھر

ذرا سا اُس کو بھلانے کی بات سوچی تھی
پُرانے زخم پہ پھر آ گے لگ گیا پتھر

مرے خلوص میں کوئی کمی ہوئی شاید
پڑوسی گھر سے مرے گھر پہ آ گرا پتھر

بٹا ہے ایک سا منظر ہزار نظروں میں
کہ ہو گئے تھے مقابل یہ آئینہ پتھر

تباہیوں کا اب اُس کی یقین کر لیجیے
کہ جسکی عقل پہ صابر ہے پڑ گیا پتھر

اپنے دشمن سے رہوں بر سرِ پیکار ابھی
اس نے رکھی ہی نہیں نیام میں تلوار ابھی

سرخیاں اُس کی ابھی سے میں بتا دوں تم کو
چھپ کے آیا نہیں بازار میں اخبار ابھی

کل وہی گلیوں میں راون کی طرح پھرتے تھے
بن کے بیٹھے ہیں جو اسٹیج پہ اوتار ابھی

قتل گر اُس نے کیا بھی ہے تو قاتل نہ کہو
جرم کا اُس نے کیا ہی نہیں اقرار ابھی

اس سے رشتہ ہے مرا اس کی دلالت یہ ہے
میرے آنگن میں اٹھی ہی نہیں دیوار ابھی

کس کو اپنا کہوں صابر میں کسے غیر کہوں
بڑے بوجھل ہیں میرے شہر کے کردار ابھی

صداقتوں سے عبث انحراف مت کرنا
کہ میرے بھائی کو میرے خلاف مت کرنا

کہیں وہ زعمِ خودی میں خدا نہ بن بیٹھے
کسی بھی شخص کا اتنا طواف مت کرنا

سمندروں کے سفر میں یہی ہے دانائی
ہَوا کے رُخ سے کبھی اختلاف مت کرنا

جہاں میں کوئی نہیں ہے ضمیر سا رہبر
کہ کوئی بات ہو اس کے خلاف مت کرنا

زباں کھُلے گی نہیں رعبِ حُسن کے آگے
خموش رہنا یہاں شین قاف مت کرنا

ہمارے اپنوں میں خود انتشار ہے صابؔر
یہ بات سچ ہے کوئی اختلاف مت کرنا

ترے مدّ و جزر سب جانتا ہوں
تجھے اے زندگی پہچانتا ہوں

وفا کے شامیانے اس نگر میں
جہاں مرضی ہیں آئے تانتا ہوں

کفن باندھے ہوئے نکلا ہوں سر سے
میں انجامِ محبّت جانتا ہوں

پہنچ جاتا ہوں بس منزل پہ اپنی
میں اپنے دل میں جب بھی ٹھانتا ہوں

جو اپنی ذات پہ پا جائے قابو
اسے ہی میں، سکندر مانتا ہوں

کیسے حاصل ہوئی، جو مجھ کو ہوگی
میں خاکِ زندگی کیوں چھانتا ہوں

شکستوں کی میں اپنے ذمہ داری
خود اپنی ذات کو گردانتا ہوں

مرا یہ حسنِ ظن کوئی تو دیکھے
ستم اُن کا کرم ہی جانتا ہوں

تری نظروں سے پی کر جامِ اُلفت
ترا ہر حکم ساقی مانتا ہوں

زندگی کو عجب نہیں لکھا
میں نے کچھ بے سبب نہیں لکھا

بے نسب کا، نسب نہیں لکھا
اور انساں کو رب نہیں لکھا

خط نہیں لکھا خفا ہے وہ مجھ سے
رُوٹھنے کا سبب نہیں لکھا

شکر ہے مجھ کو میرے دشمن نے
بوجہل، بولہب نہیں لکھا

لکھنے والے نے میری فطرت میں
حرفِ غیظ و غضب نہیں لکھا

حق کو حق ہی لکھا ہے صابر نے
صبحِ صادق کو شب نہیں لکھا

بھائی کو سہارا یہاں بھائی نہیں دیتے
کیا ہو گیا، انسان دکھائی نہیں دیتے

ہر شخص ہے ہاتھوں میں اُٹھائے ہوئے کاسہ
گو چہرے نشاناتِ گدائی نہیں دیتے

جو آج میسّر ہے وہ شاید نہ رہے کل
ہم اس لئے بچّوں کو مٹھائی نہیں دیتے

خوابوں کی پری کوئی نہ اب چاند کی بڑھیا
دادی جو گئی قصّے، سُنائی نہیں دیتے

وہ سچ کی فضاؤں میں کبھی جی نہیں سکتا
کیوں جھوٹ کے پنچھی کو رہائی نہیں دیتے

اوروں کی نظر سے کبھی، خود کو بھی پرکھنا
شیشے میں سبھی عیب دکھائی نہیں دیتے

وہ پردہ نشیں دل میں مرے جلوہ نشیں ہے
صابر یہ مراسم تو دکھائی نہیں دیتے

جب بھی منزل کے لئے عزم کے پیکر نکلے
گھر سے احباب لئے ہاتھوں میں پتھر نکلے

ہم نے ماضی کی جو تاریخ اُٹھا کر دیکھی
کتنے افلاس زدہ لوگ سکندر نکلے

راہ میں لوٹ لیا سارا اثاثہ اپنا
کتنے بے درد زمانے کے یہ رہبر نکلے

آہ! اُس شخص کی قسمت تھی نہ جانے کیسی
جس کی جھولی میں سدا درد کے پتھر نکلے

میں جنھیں مخلص و غم خوار سمجھ بیٹھا تھا
آستینوں میں چھپائے ہوئے خنجر نکلے

صابرؔ اس شخص سے لوگوں کا تعلق یوں تھا
اُس کی یاد آئی تو آنکھوں سے سمندر نکلے

میرے یا تیرے سبھی کے واسطے
سب جُڑے ہیں زندگی کے واسطے

اپنے چہروں کو بدل کر آگئے
سارے رہ زن رہبری کے واسطے

کیا عجب تھے لوگ جو کرتے رہے
دوستی بھی دشمنی کے واسطے

ظلمتیں غم کی مٹانے کے لئے
روشنی دی زندگی کے واسطے

آرزو، غم، بے قراری، اِنتظار
سب اٹھا رکھا اسی کے واسطے

طے کیا ہے درد کا لمبا سفر
لمحہ لمحہ زندگی کے واسطے

بعد مدّت کے کھُلا صابرؔ کہ بس
شاعری ہے زندگی کے واسطے

حرف بر تو تو کسی پھول کی خوشبو آئے
میر و غالب کی طرح مجھ کو بھی اردو آئے

جب کبھی آیا مجھے عہدِ گزشتہ کا خیال
تیری یادوں کے میرے ذہن میں آہو آئے

تیرا چہرہ مجھے بدلی میں چھپا چاند لگا
تیرے رخسار پہ جب بھی ترے گیسو آئے

میں اندھیروں میں تجھے ڈھونڈ رہا تھا کب سے
تیرا پیغام سُنانے مجھے جُگنو آئے

تیرے جلوے کہ نگاہوں میں بسے ہیں ایسے
آئینہ دیکھوں اگر میں تو نظر تو آئے

وہ کنارے پہ یقیں ہے کہ پہنچ جائے گا
جس کو موجوں سے اُلجھ جانے کا جادو آئے

یاد میں کس کی یہ پتھرا گئیں آنکھیں صابر
خون آیا نہ تیری آنکھ میں آنسو آئے

سلسلے سب ختم ہوں گے واقعہ رہ جائے گا
سونا سونا اپنے گھر کا راستہ رہ جائے گا

ایک موسم کی طرح گزرے گا یہ حسن و شباب
اور ہاتھوں میں فقط اک آئینہ رہ جائے گا

زندگی کا کیا ہے وہ لمحوں میں گم ہو جائے گی
نام بس کاغذ کے ماتھے پہ لکھا رہ جائے گا

بانٹ لیں گے سب در و دیوار میرے بعد میں
بے سر و سامانیوں کا تذکرہ رہ جائے گا

ہم چلے جائیں گے لیکن پھر سبھی کے ذہن میں
صرف یادوں کا ہماری سلسلہ رہ جائے گا

سچ کہے گا اور گنوا بیٹھے گا خود اپنا وجود
پتھروں کے سامنے کیا آئینہ رہ جائے گا

رات لکھ جاؤں گا صابرؔ میں سبھی احوالِ شب
تبصرہ لکھنے کو اس کے حاشیہ رہ جائے گا

اپنی مٹھی میں چھپا کر یہی جادو رکھ لے
جذبۂ شوقِ طلب، قوتِ بازو رکھ لے

کامراں تجھ کو جو ہونا ہے زمانے میں تو پھر
اپنے احساس کے اظہار پہ قابو رکھ لے

راستے میں وہ کہیں پھر سے ملے یا نہ ملے
ذہن میں اُس کے حسیں لمس کی خوشبو رکھ لے

اپنے سرتاپا کا احساس تجھے ہو جائے
عکس اپنا ہی مقابل جو کبھی تو رکھ لے

شعر گوئی کی نمازت کے سفر میں صابر
میر و غالب کے بیاں کی ذرا خوشبو رکھ لے

یزیدِ وقت کا لشکر ہے کیا کیا جائے
اکیلا سبطِ پیمبر ہے کیا کیا جائے

حیات کانٹوں کا بستر ہے کیا کیا جائے
یہ آدمی کا مقدر ہے کیا کیا جائے

وہ فصلِ شعر و سخن کو کہاں سے لائیں گے
زمینِ فکر ہی بنجر ہے کیا کیا جائے

ہمارے لوگ تو شیشوں کے گھر میں رہتے ہیں
پرائے ہاتھ میں پتھر ہے کیا کیا جائے

وہ میرے ظرف کی گہرائیاں نہ سمجھے گا
خموش میرا سمندر رہے کیا کیا جائے

بچاؤں کس طرح مہرہ میں اپنی بازی کا
وزیر شاہ کے سر پر ہے کیا کیا جائے

چھپاؤں سر تو کھلے پاؤں منہ چڑاتے ہیں
غریبِ شہر کی چادر ہے کیا کیا جائے

مخالفین بہت اُس کے ہیں مگر صابر
وہ اک خلوص کا پیکر ہے کیا کیا جائے

وہ بات بات پہ دل کو ملول کرتا ہے
عجیب شخص ہے کارِ فضول کرتا ہے

وہ سوچتا ہی نہیں ہے بُرا بھلا اپنا
اسے پتہ ہی نہیں کیسی بھول کرتا ہے

قدم قدم پہ میں اُس کے گلاب رکھتا ہوں
وہ میری راہ کو نذرِ ببول کرتا ہے

جو تو کہے تو یہ زہراب بے جھجک پی لوں
کہ تیری بات مرا دل قبول کرتا ہے

ہر ایک زخم ہے آئینہ اپنے ماضی کا
تو کیوں یہ عکس مٹانے کی بھول کرتا ہے

وہ کیسا دوست تمہارا تھی کہو صابر
جو اپنے پیار کی قیمت وصول کرتا ہے

اُس کی آمد ہے گُلابوں کو نِکھار رہنے دے
نہ اُڑا خاک ذرا دیر صبا رہنے دے

دل میں ایمان و یقیں مہر و وفا رہنے دے
سرخرو مجھ کو بھی تو روزِ جزا رہنے دے

دار پہ چڑھ کے بھی حق بات تجھے کہنی ہے
ساری دنیا جو خفا ہے تو خفا رہنے دے

ہر طرف جلتے ہیں بے نور چراغوں کے دیئے
مردِ مومن ہے تو آنکھوں میں حیا رہنے دے

تابکے طنز کے یہ تیر چلیں گے مجھ پر
بغض سینے سے مٹا دل میں وفا رہنے دے

رنج دیتی ہے بتوں کی یہ محبت صابر
سر کو سجدے میں جھکا دل میں خدا رہنے دے

کوئی رُوداد محبت نہیں اچھی لگتی
آج دُنیا کو صداقت نہیں اچھی لگتی

"حرفِ حق" جس نے کہا اس کو فقط دار ملے
اور اس بات پہ حیرت نہیں اچھی لگتی

ذہن و دل جنکے ہیں بیمار انہی اندھوں کو
کوئی صورت ہو کہ مورت نہیں اچھی لگتی

مرا دل علم کی نعمت سے منوّر کر دے
مجھ کو قارون کی دولت نہیں اچھی لگتی

وہ مرے ساتھ نہیں ہوتا تو مجھ کو صابر
زندگی کی کوئی راحت نہیں اچھی لگتی

آدمی آدمی کو کیا دے گا
جو بھی دے گا تو وہ خدا دے گا

اِک تصوّر ہی نیرا کافی ہے
فکرِ دفن کو مرے جِلا دے گا

جس کے ایمان میں صلابت ہے
نارِ نمرود وہ بجھا دے گا

اُس کی سانسیں ہی اُس پہ بھاری ہیں
مجھ کو جینے کی کیا دعا دے گا

اُس سے یوں دُور دُور رہنا تو
اختلافات کو ہوا دے گا

وصل کی آنچ کے پگھلتے ہی
وہ میرے پیار کو بھُلا دے گا

ساقیا! تیرا خالی پیمانہ
تشنگی اور بھی بڑھا دے گا

ہاتھ مجھ سے چھُڑا گیا صابر
وہ مجھے اور کیا سزا دے گا

ہر طرف خون، فسادات، غزل کیسے کہوں
ہیں عجب شہر کے حالات، غزل کیسے کہوں

شور انگیز ہیں لمحات، غزل کیسے کہوں
سوچتا ہوں یہی دن رات، غزل کیسے کہوں

مطمئن کون ہے اور کس کو سکوں حاصل ہے
لٹ گئی امن کی بارات، غزل کیسے کہوں

ساتھ سب کچھ ہی بہالے گئے اس کے آنسو
ہے بڑی زور کی برسات، غزل کیسے کہوں

فکر کی جھیل میں پھینکا ہے یہ کس نے پتھر
منتشر ہیں مرے جذبات، غزل کیسے کہوں

اک سراسیمگی صابر مرے چاروں جانب
اور سخن وقفِ خرافات، غزل کیسے کہوں

کبھی خیال کے پیکر کبھی شباب جلے
وفا کی شاخ پہ کھلتے ہوئے گلاب جلے

اُبھر کے آ گئے الفاظ جب کتاب جلی
ہماری زیست کے اوراق بے حساب جلے

قدم قدم پہ ہوا اُس کی رحمتوں کا نزول
کہ زندگی کے اندھیروں میں آفتاب جلے

کسی کی بات نہ تھی ذکر تھا زمانے کا
ہماری بات سے پھر آپ کیوں جناب جلے

وہ ریگ زار، سمندر کی طرح تھا صابر
مری نگاہ کے منظر تھے زیر آب جلے

بے وفا دُنیا میں کوئی باوفا مِل جائے گا
پتّھروں کے شہر میں کیا آئینہ مِل جائے گا

رنج کا ہو یا خوشی کا سلسلہ مِل جائے گا
جو مقدّر میں لکھا ہے وہ لکھا مِل جائے گا

چل پڑو منزل کی جانب راستہ مل جائے گا
تیرگی سے آپ کو میرا پتہ مِل جائے گا

رنج و غم کے دشت سے اِک راہ نکلے گی ضرور
حادثوں میں پلتے پلتے حوصلہ مِل جائے گا

فاصلے بھی قربتوں کے دائروں میں آئیں گے
جب دیارِ غیر میں وہ آشنا مِل جائے گا

وہ بڑا مونس بھی ہے ہمدرد بھی صابر بھی ہے
وہ جو آئے گا تو ہم کو آسرا مِل جائے گا

دِل کو لگا کے اس سے میں رسوا بہت ہُوا
یوں زندگی کا میری تماشہ بہت ہُوا

اب کے ہمارے شہر میں دنگا بہت ہُوا
انسان دورِ نو کا درندہ بہت ہُوا

غم تھے عزیز، ہم سے بھلائے نہ جا سکے
ہر چند دوستوں کا تقاضہ بہت ہُوا

جب بھی اُجالے قتل اندھیروں میں ہو گئے
ہر سمت تیرگی کا ہی چرچا بہت ہُوا

واعظ ترے عمل کو بہت جانتے ہیں ہم
جانے دے، پارسائی کا دعویٰ بہت ہوا

سوچا تھا اب کی بار نہ کھائیں گے ہم فریب
اب کے بھی تجربات میں دھوکا بہت ہوا

سچائیوں کی سادگی چہروں پہ اب نہیں
دُنیا کے رُخ پہ جھوٹ کا غازہ بہت ہوا

صابرؔ قدم قدم پہ قدم پھونک کر رکھو
لوگوں پہ اعتبار کا سودا بہت ہوا

امن واماں کی تھی جو فضا کون لے گیا
شہرِ وفا سے جنسِ وفا کون لے گیا

قلب و سکون کی تھی دوا کون لے گیا
مجھ سے چُرا کے میری اَنا کون لے گیا

کل تک یہ شہر یوں تو بڑا زرق برق تھا
سب لُٹ چکا ہے کچھ نہ بچا کون لے گیا

اندھے نگر کے اندھے مسافر مجھے بتا
سر پہ ترے جو تھا وہ دیا کون لے گیا

صابر وہ شخص کل تو مرے ساتھ ساتھ تھا
اُس کو مری نظر سے چُرا کون لے گیا

اَب کے سفر میں کوئی اگر ہم سفر ملے
جی چاہتا ہے اہلِ نظر، دیدہ ور ملے

میں نے سمجھ لیئے سبھی راہوں کے پیچ و خم
اب راہزن ملے کہ مجھے راہبر ملے

بجلی سی کوند جاتی ہے اس دل کے آس پاس
تیری نظر سے کیسے ہماری نظر ملے

مدّت سے آرزو یہی دل میں جوان ہے
مل جائے تو کہیں کہ تیرا سنگِ در ملے

جس راہ پہ چلا تھا کبھی میرا کارواں
جی چاہتا ہے اب تو وہی رہگزر ملے

صابرؔ دعا ہے اب تو یہی روز و شب میری
وہ آئے اور مجھ کو ضیائے سحر ملے

(تمام تر مطلعوں پر مشتمل)

طُور پر جلوؤں کی خاطر کیا کوئی اب جائے گا
کون ان حالات کے طوفان سے ٹکرائے گا

ہم اسے بہلائیں گے اور وہ ہمیں بہلائے گا
غم سے بڑھ کر دوست، دوجا کیا کوئی کہلائے گا

ہے تجسّس جس کسی میں گتھیّاں سلجھائے گا
پانیوں کی تہہ سے وہ لعل و گہُر لے آئے گا

ہے یقیں مجھ کو کہ اک دن کوہِ غم ڈھ جائے گا
اس اندھیری شب کا اک روشن سویرا آئے گا

سب اسی کو چاہیں گے اور وہ سبھی کو بھائے گا
یہ کرشمہ تو فقط اک آئینہ دِکھلائے گا

زندگی کی اُلجھی اُلجھی زُلف کو سُلجھائے گا
یاد آکر وہ یقیناً دل مرا بہلائے گا

جا چکا ملکِ عدم وہ لوٹ کر کیا آئے گا
زندگی بھر غم جدائی کا ہمیں تڑپائے گا

کوئی تو پھر غم کا مارا بن کے صابر آئے گا
غم میں کتنی چاشنی ہے ہم کو یہ بتلائے گا

درد کو اپنے لا دوا رکھیے!
زخمِ دل کو ہرا بھرا رکھیے

زندگی گر حسیں بنانا ہے
اپنا انداز ہی جُدا رکھیے

عہدِ ماضی عذاب ہی تو نہیں
کچھ تو یادوں کا سلسلہ رکھیے

کوئی اپنا ہو یا پرایا ہو
لب پہ سب کے لئے دعا رکھیے

پُر خطر زندگی کے رستے میں
زندہ رہنے کا حوصلہ رکھیے

مصلحت چھوڑ کر سبھی صابر
سچ کو رکھیے تو برملا رکھیے

بے ثبات دُنیا پر جبر و خوف طاری ہے
ہر جگہ تشدّد ہے، قتلِ عام جاری ہے

لمحہ لمحہ ہلکی ہے، لحظہ لحظہ بھاری ہے
زندگی تماشا ہے، آدمی مداری ہے

پھُول تیرے گلشن کے کاغذی سے لگتے ہیں
فصلِ گُل میں ہر ٹہنی خوشبوؤں سے عاری ہے

بے خبر پرندے ہیں اُن سے اتنا کہہ دینا
کھیت میں کہیں بیٹھا گھات میں شکاری ہے

بات جو کہی تم نے، وہ نہ ہم سمجھ پائے
کچھ کمی تمہاری تھی، کچھ کمی ہماری ہے

موت کی تمازت سے بس پگھلتی جاتی ہے
زندگی کی یہ گڑیا دیکھنے میں پیاری ہے

نام جس کا صابر ہے حسن کا ہے شیدائی
اس نے شہرِ خوباں میں زندگی گزاری ہے

حوصلہ جینے کا کچھ اپنے جگر میں رکھیئے
خود کو رکھنا ہے تو پھر برق و شرر میں رکھیئے

گر نہیں فکر و نظر عقل کے ہمراہ تو پھر
قاعدے، تبصرے، تنقید کو گھر میں رکھیئے

لوگ ایسے کہ جو مر کر بھی امر ہوتے ہیں
ایسے انسانوں کے کردار نظر میں رکھیئے

تم کو تنقید کا حق بھی ہے مگر دیوانو!
عیب اپنے بھی ذرا اپنی نظر میں رکھیئے

اپنی منزل پہ پہنچنے میں کوئی دیر نہیں
اس کی یادوں کے دیئے ساتھ سفر میں رکھیئے

منزلیں کھنچ کے چلی آتی ہیں خود ہی صابر
کچھ سفر کرنے کا سودا بھی تو سر میں رکھیئے

فرقہ وارانہ فسادات سے ڈر لگتا ہے
دوستو! ملک کے حالات سے ڈر لگتا ہے

یہ اندھیرے نہ کہیں اپنا مقدر ٹھہریں
وقت کی کہنہ روایات سے ڈر لگتا ہے

جانے کس وقت مصیبت کی گھڑی ٹوٹ پڑے
ہم پہ گزری ہوئی آفات سے ڈر لگتا ہے

جائیں بازار تو پھر لوٹ کے آئیں کیسے؟
آج کل شہر کے حالات سے ڈر لگتا ہے

خوف انسان کو بزدل ہی بنا دیتا ہے
کبھی سائے سے کبھی ذات سے ڈر لگتا ہے

تجھ سے ملنے پہ سبھی عیب عیاں ہوتے ہیں
آئینے تیری ملاقات سے ڈر لگتا ہے

دوستی کو بھی جو احسان جتائے صابر
ایسے کم ظرف کی سوغات سے ڈر لگتا ہے

حُسن کی ایک جھلک ہی سے نظر بول پڑے
فن کی معراج ہو ایسی کہ ہنر بول پڑے

حوصلہ جن میں تھا وہ دار و رسن تک پہنچے
سر میں سودا رہا جن کے وہی سر بول پڑے

کتنے پروانے جلے رات کی آغوش میں کل
شام آئی تو چراغوں کے ہنر بول پڑے

تشنگی اپنی سمجھنے نہیں پایا ساقی
ہو کے بدحال پریشان نظر بول پڑے

اُس نے اظہار محبت جو کیا تو یہ لگا!
جیسے سنّاٹے میں صحرا کے گجر بول پڑے

یاد کی وادی میں صابر کے قدم رکھتے ہی
داستاں ماضی کے سنسان کھنڈر بول پڑے

اُلفت کا وہ دیپ بُجھائے بیٹھا ہے
نفرت کی دیوار اُٹھائے بیٹھا ہے

صدیوں صدیوں راہ دکھائے بیٹھا ہے
بوڑھا برگد سائے سائے بیٹھا ہے

اپنے غم کی بات نہ اُس سے تم کرنا
آنکھوں میں سیلاب چھپائے بیٹھا ہے

اِک دن تو آزاد فضا میں ڈولے گا
بے بس پنچھی آس لگائے بیٹھا ہے

تنہائی میں اس کا غم، اس کا ساتھی
محفل میں جو رنگ جمائے بیٹھا ہے

یارو وہ ہے شعر و سخن کا بیوپاری
لفظوں کی دوکان سجائے بیٹھا ہے

نفرت کی پرخار زمیں پر اے صابر
چاہت کی تو فصل اُگائے بیٹھا ہے

کسی کے واسطے انسان مر نہیں جاتا
کہ جانے والا یہ لمحہ ٹھہر نہیں جاتا

بشر کے ساتھ ہی رہتا ہے شر نہیں جاتا
حسد کا روگ ہے یہ عمر بھر نہیں جاتا

کسی کے درد کو محسوس دل نہیں کرتا
ہجومِ غم سے وہ جب تک گزر نہیں جاتا

جو ایک بار چلا آئے تیرے کوچے میں
قسم خدا کی کبھی لوٹ کر نہیں جاتا

اک ایک لفظ ہے گویا کہ ایک اک موتی
تمہارے لہجے کا دل سے اثر نہیں جاتا

تو اس پہ ہو گی ہی دشوار منزلِ مقصود
جو لے کے ساتھ ہی زادِ سفر نہیں جاتا

وہ آشیانے بنائے گا بارہا صابر
پرندہ بجلیاں گرنے سے ڈر نہیں جاتا

یاد جب آتی ہے اُس کی تو بھلا لگتا ہے
درد کا پیڑ ہر اک رُت میں ہرا لگتا ہے

آئینہ ہوں مجھے ہر چہرہ کھرا لگتا ہے
میرا یہ طرزِ عمل اُس کو بُرا لگتا ہے

جس کو بھی دیکھئے وہ مجھ سے خفا لگتا ہے
بات سچ کہتا ہوں دُنیا کو بُرا لگتا ہے

اب تو زخموں سے کوئی ٹیس نہیں اٹھتی ہے
درد جب حد سے سوا ہو تو دوا لگتا ہے

اپنے جیسا تو یہاں ایک بھی انساں نہ مِلا
یہ ترا شہر مجھے شہرِ انا لگتا ہے

یاد کی آگ بُجھانے سے کہاں بجھتی ہے
راکھ کا ڈھیر تو ظاہر میں بُجھا لگتا ہے

اُس کے مِلنے سے ہر اک بار خوشی ملتی ہے
مجھ کو صابر وہ زمانے سے جُدا لگتا ہے

دید کا سر میں سودا کیسا
طور پہ اس کا جلوہ کیسا

عہد و پیماں توڑنے والے
بتلا تیرا وعدہ کیسا

کون تصوّر میں ہے آیا
کیسی اُلجھن، دھڑکا کیسا

دل رویا تو روئیں آنکھیں
آنکھ سے دل کا رشتہ کیسا

نفرت نفرت فصل اُگی ہے
بیج یہ تو نے بویا کیسا

جھُوٹ ہے تو اور میں سچّائی
تیُرا میرا رشتہ کیسا

دُشمن تو پھر دُشمن ٹھہرا
دُشمن سے سمجھوتہ کیسا

جینا ہے تو کچھ کرنا ہے
صابرؔ آنا جانا کیسا

کل رات کوئی کان میں رس گھول رہا تھا
اس جھوٹ کی نگری میں بھی سچ بول رہا تھا

دہشت تھی وہ پھیلی کہ گھروں میں تھے چھپے لوگ
گلیوں میں بھی جنگل کا سا ماحول رہا تھا

غافل تھے درندے کہ شکاری سے نہ چونکے
چالاک پرندہ تھا کہ پر تول رہا تھا

دُنیا جسے کہتی ہے "مقدّر کا سکندر"
اُس شخص کے ہاتھوں میں بھی کشکول رہا تھا!

حیرت سے اُسے میری اَنا دیکھ رہی تھی
کم ظرف مرے ظرف کو جب تول رہا تھا

اک میں تھا کہ ہر گام اُسے بھولنا چاہا
اک وہ تھا کہ ہر یاد کا در کھول رہا تھا

صابرؔ اُسے معلوم نہ تھی اپنی ہی قیمت
جو فن کے ترازو میں مجھے تول رہا تھا

دوست بننا، نہ دشمنی رکھنا
شہر میں خود کو اجنبی رکھنا

دل کو بھاتا نہیں کوئی منظر
کیا نگاہوں میں دلکشی رکھنا

شہر میں پھر بپا ہیں ہنگامے
رات، کھڑکی نہ تم کھُلی رکھنا

ذہن میں یاد کے جلا کے دیئے
دل کی وادی میں روشنی رکھنا

نیند آئے گی ساتھ بچپن کے
اپنے خوابوں میں اک پری رکھنا

جانے کس پل بُلاوہ آ جائے
کس کے بس میں ہے زندگی رکھنا

داد صابرؔ کہاں سے پاؤ گے
طاق میں ایسی شاعری رکھنا

لہجہ تھا نرم کانوں میں رس گھولنے لگا
وہ دھیمے دھیمے حرفِ جنوں بولنے لگا

منظر وہ سارے ماضی کے آنکھوں میں بھر گئے
پھر میرا ذہن یادوں کے در کھولنے لگا

وہ کاٹھ کا شکاری جو بچّوں نے پالیا
کاغذ کا اک پرندہ بھی پَر تولنے لگا

وہ میرا راز دار تھا لیکن نہ جانے کیوں
میرے تمام عیبِ خفی کھولنے لگا

پہلے کبھی تو دل کی نہیں تھی یہ کیفیت
کیوں اس کے دیکھتے ہی یہ من ڈولنے لگا

دانشوری جو میرا سخن تولنے لگی
صابر سنبھل کے میں بھی پھر بولنے لگا

حوصلے، عزم، خواب تازہ رکھ
جراءتِ انقلاب تازہ رکھ

ساقیا! تو اُڑا دے ہوش میرے
حسن کی اک شراب تازہ رکھ

اس کی یادیں سدا رہے روشن
دل میں اک آفتاب تازہ رکھ

خون کے بدلے "خوں بہا" پاؤں
کوئی ایسا حساب تازہ رکھ

اپنی فطرت میں شوخیاں بھرلے
شوق، مستی، شباب تازہ رکھ

زندگی کے حسین گملے میں
کچھ خوشی کے گلاب تازہ رکھ

دوستی کو نہ حد سے بڑھنے دے
اِک نصابِ حساب تازہ رکھ

وہ کرے گر سوال کچھ صابر
ایک تازہ جواب تازہ رکھ

بدگمانی سے رد نہیں ہوتا
نیک ایسے میں بد نہیں ہوتا

بالیقیں آدمی وہ پیارا ہے
جِس کے دل میں حسد نہیں ہوتا

سب میں یکسانیت نہیں ہوتی
ایک ہی سب کا قد نہیں ہوتا

ذہن میں اُس کے شر ہی پلتا ہے
جو کہ اہلِ خرد نہیں ہوتا

عشق ہے نام جِس کا اے صابر
اس کا طول و بلد نہیں ہوتا

جب سے ترے کرم کا سہارا نہیں رہا
سارے جہاں میں کوئی ہمارا نہیں رہا

وہ پھول وہ کلی وہ شرارہ نہیں رہا
اہلِ جنوں کا کوئی سہارا نہیں رہا

اس کارزارِ ہستیٔ ناپائیدار میں
اُس کے بغیر جینا، گوارا نہیں رہا

دِل کو سکون آنکھوں کو ٹھنڈک جو بخش دے
گلشن میں ایسا کوئی نظارا نہیں رہا

فصلِ بہار، جانِ وفا، شوقِ جستجو،
اب وہ حسین وقت کا دھارا نہیں رہا

امواجِ حادثات سے ہو کر گزر گئے
طوفان تھا نظر میں کنارا نہیں رہا

صابر ملی جو دولتِ غم خوش نصیب ہو
ہیں بدنصیب، غم جنہیں پیارا نہیں رہا

(تمام تر مطلعوں پر مشتمل غزل)

بھیگے ہیں کیوں یہ میرے نین کچھ نہ پوچھئے
کس کے خیال میں ہوں مگن کچھ نہ پوچھئے

احوالِ غم اے اہلِ چمن کچھ نہ پوچھئے
برہم ہے کیوں یہ آج گگن کچھ نہ پوچھئے

کیسا ہے دَورِ نو کا چلن کچھ نہ پوچھئے
کیا دَور تھا وہ دَورِ کہن کچھ نہ پوچھئے

ہر روز جل رہے ہیں بدن کچھ نہ پوچھئے
کس حال میں ہے اپنا وطن کچھ نہ پوچھئے

آئی ہے کیوں جبیں پہ شکن کچھ نہ پوچھئے
صابرؔ یہی ہے دَورِ فتن کچھ نہ پوچھئے

پتھراؤ ہو رہا ہے مری ذات کے لئے
کچھ لوگ منتظر ہیں سوالات کے لئے

کوئی بھی تو نہیں ہے ملاقات کے لئے
کیوں شام ڈھل رہی ہے جواں رات کے لئے

یہ دن تجھے نہ رات کے دریا میں ڈال دے
اب تو اٹھا لے ہاتھ مناجات کے لئے

ہم کو بُلا کے وہ تو دریچے سے ہٹ گیا
برسات میں رُکے ہی رہے بات کے لئے

کیا زندگی کو اور خدا سے طلب کریں
ایندھن ہیں ہم تو روز فسادات کے لئے

بول پپیہے میٹھے بول
پیار کا جذبہ ہے انمول

اوروں کے یوں عیب نہ کھول
سب سے پہلے خود کو تول

جامِ محبّت سب کو پلا
نفرت کا تو زہر نہ گھول

بات پہ قائم رہنا سیکھ
قول و عمل میں کیسا جھول

لوگ ہیں تجھ سے کیوں نالاں
کیا ہے بُرائی خود میں ٹٹول

قدریں سب پامال ہوئیں
اب انساں کا کیا ہے مول

چھوٹے منہ سے اے صابر
بول بڑے ہرگز مت بول

غم مرے آس پاس رہتا ہے
بِن مرے وہ اداس رہتا ہے

غم تو اک جزوِ زندگانی ہے
جسم ہو تو لباس رہتا ہے

تم نہیں ہوتے جب چمن میں تو
سارا موسم اداس رہتا ہے

جو غموں کے بھنور میں جیتا ہے
بس وہی غم شناس رہتا ہے

جس کو جینے کا فن نہیں آتا
شخص وہ بد حواس رہتا ہے

سرنگوں گر نہ ہو صراحی تو
غم زدہ ہر گلاس رہتا ہے

اُس کی یادوں کا قافلہ صابرؔ
میرے زخموں کے پاس رہتا ہے

راہِ وفا میں اُس کا مرا سامنا ہوا
یا اپنی زندگی سے مرا واسطہ ہوا

حالات کا شکار ہر اک فرد ہے یہاں
کوئی نہیں زمانے میں غم سے بچا ہوا

برسوں کے بعد بھی وہ بھلایا نہ جا سکا
لہجہ تھا اس کا کانوں میں رس گھولتا ہوا

روشن تمہاری ذات سے میرا وجود تھا
تم کیا جدا ہوئے، مرا سایہ جدا ہوا

خیّامؔ کی رباعی کہ غالبؔ کی اک غزل
وہ تھا شرابِ شعر و سخن سے دُھلا ہوا

اُس کا سخن تو میرے لیئے اب حیات ہے
کس طرح بھُول جاؤں گا اُس کا کہا ہوا

کتنی ہی نعمتوں سے نوازے گئے ہیں ہم
پھر بھی نہ ایک شُکر کا سجدہ ادا ہوا

دیکھا جو مجھ کو کتنے ہی چہرے اُتر گئے
صابرؔ میں اپنے آپ میں اک آئینہ ہوا

اپنا یہ زخمِ جگر ہم نے بتایا بھی نہیں
اُس نے دیکھا بھی نہیں ہم نے چھپایا بھی نہیں

تشنگی یوں ہی رہی جام اُٹھایا بھی نہیں
اُس نے مخمور نگاہوں سے پلایا بھی نہیں

تو ہر اک سانس میں آتا رہا جاتا بھی رہا
ہم نے لکھ لکھ کے ترا نام مٹایا بھی نہیں

وقت تو نے نہ دیا ہم کو بھی مہلت نہ ملی
روٹھنے والے تجھے ہم نے منایا بھی نہیں

زندگانی یہ کہاں مجھ کو اُٹھا لائی ہے!
کوئی اپنا بھی نہیں کوئی پرایا بھی نہیں

تُو انا میں ہے مقیّد تجھے احساس کہاں
تو ہے وہ پیڑ کہ جس کا کوئی سایا بھی نہیں

ویسے بھی ہم سے پشیمان رہا وہ صابر
آئینہ ہم نے زمانے کو دکھایا بھی نہیں

تصوّر میں وہ میرے آنے لگے
مجھے سارے موسم سہانے لگے

مجھے اپنے دل میں بسانے لگے
میرے گیت وہ گنگنانے لگے

جو گزرے تھے کل تک ترے قرب میں
وہ لمحے سبھی یاد آنے لگے

بہت ہم نے چاہا بھُلا دیں اُنھیں
بھُلانے میں لیکن زمانے لگے

ہم اُن کے لئے پھُول چنتے رہے
وہ ہم پر ہی پتّھر اُٹھانے لگے

ترے میکدے کا عجب حال ہے
کہ ساقی یہاں سب سیانے لگے

وفا ہم نے صابرؔ سکھائی جنھیں
وہ اُلفت کا مطلب سکھانے لگے

دِل کی حسرت دِل میں پل کر رہ گئی
موج دریا میں مچل کر رہ گئی

رنج و غم کی رات ڈھل کر رہ گئی
اِک بَلا تھی سُر سے ٹل کر رہ گئی

ناگہاں جب موت نے آواز دی
زندگانی ہاتھ مَل کر رہ گئی

کیا پتہ تُمکو تمہاری بے رُخی
غنچۂ دل ہی مسل کر رہ گئی

دولتِ دُنیا ہے ظالم بے وفا
ہاتھ آئی اور پھسل کر رہ گئی

جان تھی میری مگر ہمدم نہ تھی
ساتھ تھوڑی دور چل کر رہ گئی

اس نظر نے دل پہ کیا جادو کیا
زندگانی رُخ بدل کر رہ گئی

زندگی گڑیا تھی صابر موم کی
لمحہ لمحہ جو پگھل کر رہ گئی

پھول پہچانے گئے گلزار سے
شخصیت جانی گئی کردار سے

فن کو تو شہرت ملی فنکار سے
کیا ملا فنکار کو سنسار سے

مسئلے سب گفتگو سے حل کریں
زخم سلتے ہیں کہیں تلوار سے

عمر کی کشتی بچا کر لائیں گے
حادثوں کی ڈوبتی منجدھار سے

رحم کی امید ظالم سے نہ رکھ
پائی ہے خوشبو کسی نے خار سے

زندگی بے کیف ہے تیرے بغیر
راستے بھی ہو گئے پُرخار سے

بے بسی صابر کی دیکھیں تو سہی
غم بھی پایا ہے تو اِک غم خوار سے

ہم ترے تصوّر کی تصویر بنالیں گے
دل دل سے ملالیں گے زنجیر بنالیں گے

نام آئے گا جب اپنا دنیا ہمیں ڈھونڈے گی
ہم ایسی زمانے کی تقدیر بنالیں گے

نفرت کو تعصّب کو ہر دل سے مٹادیں گے
اخلاق و محبّت کو جاگیر بنالیں گے

جو ظلم کو روکے گی، ظالم کو مٹا دے گی
وہ عدل و شجاعت کی شمشیر بنالیں گے

ساقی ترے ہاتھوں سے مل جائے اگر پیالہ
پھر زہر ہلاہل بھی اکسیر بنالیں گے

صابرؔ ہمیں خوابوں کی صورت گری آتی ہے
جس طرح بھی چاہیں گے تعبیر بنالیں گے

سر پر فلک کا بوجھ اٹھائے گا کس طرح
تاروں کو آسماں سے لائے گا کس طرح

بَچ کے غموں سے دُور وہ جائے گا کس طرح
سایہ وہ اپنے قد کا بڑھائے گا کس طرح

تنہائیوں میں اپنی جو روتا ہے رات دِن
وہ محفلوں میں گیت سُنائے گا کس طرح

آنکھوں میں تیرے نیند ہی باقی نہیں رہی
پلکوں پہ کوئی خواب سجائے گا کس طرح

اپنا وجود خود ہی جو پہچانتا نہیں
سورج کو آئینہ وہ دکھائے گا کس طرح

صابر جو گھر چکا ہے اندھیروں کے درمیاں
فکر و نظر کے دیپ جلائے گا کس طرح

حالات کا شکار تھا مجبور ہو گیا
ان کی نگاہ میں تھا مگر دور ہو گیا

وہ حُسن، وہ ادا، وہ نزاکت، وہ بانکپن
میری نگاہِ شوق میں منظور ہو گیا

اک اُن سے کیا ملی تھی نظر بزمِ غیر میں
قصہ ہمارے پیار کا مشہور ہو گیا

غیروں کے ساتھ اُن کو جو دیکھا تو دل میرا
شیشہ کی طرح ٹوٹ گیا چور ہو گیا

مقتل کی سمت جو بھی گیا خوش دلی کے ساتھ
وہ عہد ساز وقت کا منصور ہو گیا

ہے اُس کا ذکر دل میں بسی ہے اُس کی یاد
صابر جہاں کا خوف ہی کافور ہو گیا

کام کچھ ایسا کر گیا کوئی
بس نظر سے اُتر گیا کوئی

کس کے بس میں ہے وقت کو روکے
چند لمحے ٹھہر گیا کوئی

کون آیا فضا مہک اُٹھی
بن کے خوشبو بکھر گیا کوئی

رات بھر وہ رہا ہے آنکھوں میں
صبح ہوتے ہی گھر گیا کوئی

اُس کی باتوں کا کیا یقیں صابر
کر کے وعدے مُکر گیا کوئی

جو مرے درد کی دوا کر دے
دوست ایسا مجھے عطا کر دے

"حق کی آواز" دے رہا ہوں
ساری دُنیا کو ہمنوا کر دے

میں ثمر بانٹوں اور ثمر پاؤں
فصل کا ایسا سلسلہ کر دے

تیری یادوں سے جب بھی غفلت ہو
جسم سے روح کو جُدا کر دے

فتنہ پرور کوئی ہو گر پیدا
میرے مالک اُسے فنا کر دے

نیک اوصاف کا وسیلہ دے
زندگی مثلِ آئینہ کر دے

میں تو صابر ہوں صبر کر لوں گا
زخم چاہے تو پھر ہرا کر دے

ہر طرف کیوں بے کلی ہے آج کل
بے بسی بے چارگی ہے آج کل

زندگی، بے بندگی ہے آج کل
اس لیے آوارگی ہے آج کل

زندگی تاریکیوں میں گھر گئی
یوں بظاہر روشنی ہے آج کل

آدمیت تو کہیں ملتی نہیں
نام کا بس آدمی ہے آج کل

دن بہ دن بس مرض بڑھتا ہی گیا
کیسی یہ چارہ گری ہے آج کل

کام کوئی منفرد میں کر سکوں
بس یہی حسرت مری ہے آج کل

جانے صابر وہ کہاں غائب ہوا
بے کلی سی بے کلی ہے آج کل

جذبۂ عشق تو چہرے سے عیاں ہوتا ہے
آگ جلتی ہے مگر پہلے دھواں ہوتا ہے

ایک ہی پل میں بکھر جاتا ہے خوابوں کا محل
کیا مصیبت کا کوئی وہم وگماں ہوتا ہے

زندگی ہم کو لئے پھرتی ہے شہروں شہروں
ہم غریبوں کا کوئی گھر ہی کہاں ہوتا ہے

زخم سینے میں چھپانے سے بھلا کیا حاصل
درد دل میں ہو تو چہرے سے عیاں ہوتا ہے

ترا گھر دیکھ کے اِس بات کا احساس ہوا
جیسا ہوتا ہے مکیں، ویسا مکاں ہوتا ہے

دِل سے اب تک نہ گیا بیتی بہاروں کا خیال
زخم چھوتا ہوں تو پھولوں کا گماں ہوتا ہے

عام لفظوں میں ہوس کہتے ہیں اُس کو صابر
جِس محبّت میں غمِ سود و زیاں ہوتا ہے

زندگی سے ہو جہاں بیزارگی
ہوش کھوتی ہے وہاں ہشیارگی

ہم نے دیکھا آج کے انسان میں
خود نمائی، خود سری، ہشیارگی

اب تو انساں کا مقدر بن گئی
مفلسی، بے مائگی، بے چارگی

زندگی کو سادگی سے کاٹئے
زندگی میں ہو اگر بیزارگی

دِل تڑپتا ہے مناظر دیکھنے
ڈھونڈتی ہے آنکھ پھر نظارگی

وقت کے ہاتھوں کھِلونا آدمی
لمحہ لمحہ بے بسی، بے چارگی

حوصلے میرے جواں ہوتے گئے
حادثوں سے جب ہوئی دوچارگی

ہم کو صابرؔ یاد تو رہ جائے گی
دوستوں کی دوستی، غم خوارگی

چمن کی اب ہے تمنّا نہ آشیانے کی
پڑی ہوئی ہے پرندوں کو آب و دانے کی

کوئی تو بات کرو رنجشیں مٹانے کی
بہت ہی گرم ہے یارو، ہوا زمانے کی

میں تیری یاد میں تا عمر بے قرار رہا
تجھے تو یاد نہ آئی کبھی دِوا ستے کی

سنوار دوں گا میں ذوقِ سخن سے زلفِ غزل
نہ مِٹنے دوں گا زباں میرؔ کے گھرانے کی

خدا نہ چاہے گا جب تک نہ مٹ سکیں گے ہم
زمانہ لاکھ کرے سازشیں مٹانے کی

خلوص و پیار و محبت کو بانٹ کر صابرؔ
چلو بدل دیں فضاء آج پھر زمانے کی

کس قدر ہے حسین یہ پھولوں کی زندگی
کانٹوں میں پل رہے ہیں لبوں پر ہے تازگی

محرومیوں کی دھوپ میں جلتے رہے بدن
جانے ملی ہے کس کو ستاروں کی روشنی

فرصت سے تم ملو، تو غمِ دل سنائیں ہم
اب یوں کرو نہ ہم سے ملاقات سرسری

وہ دن بھی کیا تھے جھیل پہ ملتے تھے رات دن
پہلی سی ہم میں کس لئے چاہت نہیں رہی

ہر پھول آبدیدہ ہے، بلبل بھی ہے اداس
اب کے نہ جانے کیسی چمن میں ہوا چلی

کل رات اس کو خواب میں دیکھا تھا اس طرح
نکلی ہے کوہ قاف سے سج دھج کے اک پری

صابر کو اپنا حال بتا بھی نہیں سکے
دیکھا جو اس کو بڑھنے لگی دل کی بے کلی

ہم سخن کی طرح، ہم زباں کی طرح
وہ مرے ساتھ ہے جانِ جاں کی طرح

اس زمیں کی طرح ہم ہیں اس کے قریب
دُور ہم سے ہے وہ آسماں کی طرح

چاند ہیں آسمانِ محبّت کا ہم
وہ ہمارے لئے کہکشاں کی طرح

آرزو ہے یہی آپ کے شہر میں
کوئی ہم سے مِلے مہرباں کی طرح

آگ نفرت کی ایسا غضب ڈھا گئی
گلستاں بھی جلا آشیاں کی طرح

کوئی مانگے نہ ہم سے وفاداریاں
ہم تو ہیں ملک کے پاسباں کی طرح

کس پہ ظاہر ہو صابر جو اسکا ہے غم
دل میں رہتا ہے دردِ نہاں کی طرح

زندگی تجھ سے دوستی کی ہے
ہم نے جل جل کے روشنی کی ہے

دم نکلتا نہیں بغیر ترے
آرزو تیری آخری کی ہے

موت سے خوف کی ضرورت کیا؟
موت، سوغات زندگی کی ہے

قافلے، راستے ہی بھول گئے
رہبروں نے یوں رہبری کی ہے

ایک دِل کو ہزار غم بخشے
تو نے اچھی یہ دلگی کی ہے

اک زمانہ ہی محوِ حیرت ہے
خوب صابرؔ نے شاعری کی ہے

دل کو سکون، روح کو راحت نہ مل سکی
جس کی تھی چاہ اُس کی محبّت نہ مل سکی

صورت ملی مگر، کہیں سیرت نہ مل سکی
جس کی تلاش تھی وہی مورت نہ مل سکی

ہم بولتے تو اُس کا ہر اک راز کھولتے
لیکن زباں کو دل کی اجازت نہ مل سکی

منصف گواہیوں کے معمّے میں پھنس گیا
سچّائیوں کو کوئی ضمانت نہ مل سکی

لہجے کا بانکپن نہ تو اسلوبِ فکر و فن
فکر و خیال کو کوئی ندرت نہ مل سکی

خوشیاں خرید لاتے ترے واسطے مگر
ہم کو غمِ حیات سے فرصت نہ مل سکی

صابرؔ چلے تھے ہم بھی وفا کو تلاشنے
لیکن کہیں ہمیں یہ روایت نہ مل سکی

ہر سو دکھائی دیتا ہے مجھ کو دُھواں دُھواں
کیسے بتاؤں یادوں کے پیوند ہیں کہاں

ایسے رہی ہے دل میں محبت، تری جواں
اُلفت کے آسمان پہ جیسے ہو کہکشاں

ہر سو ہے تیرا جلوہ ہر اک شئے میں تو ہی تو
ڈھونڈا جہاں بھی پایا ہے میں نے تیرا نشاں

دیکھا ہے جب سے تجھ کو تو عالم یہ ہو گیا
مری نظر پہ تنگ ہوئے ساتوں آسماں

میں نے کیا ہے عشق کوئی جرم تو نہیں
سر پہ اُٹھائے پھرتے ہو کیوں سارا آسماں

جب بھی گلوں کو بادِ صبا گدگدا گئی
پھر تیری یاد دل میں میرے ہو گئی جواں

صابر ہے میرے ساتھ مجھے کوئی غم نہیں
چاہے جدھر کو جائے مری کشتی رواں

یارب مری نظر کو نظارے نصیب کر
امواجِ بے کراں کو کنارے نصیب کر

تاریک شب کو چاند ستارے نصیب کر
طوفاں کی کشتیوں کو کنارے نصیب کر

ہر چیز تیرے بس میں ہے دونوں جہان کی
بگڑے نصیب کو جو سنوارے نصیب کر

ہر اک قدم پہ ہم کو تری رحمتیں ملے
اتنے بلند و بالا ہمارے نصیب کر

راحت ہو دل کو اور سکوں ہو دماغ کو
دِل کی لگی کو اب نہ شرارے نصیب کر

چاروں طرف ہیں جان کے دشمن کھڑے ہوئے
اب دوست مجھ کو جان سے پیارے نصیب کر

منزل پہ اپنی ہم کو پہنچنا ضرور ہے
رہبر نہیں تو اپنے سہارے نصیب کر

غم زندگی کو تو نے بہت سے عطا کئے
صابر کو اب خوشی کے منارے نصیب کر

فلک پر مسکراتی کہکشاں ہے
مِرے دیوانہ پن کی رازداں ہے

وہی میں ہوں، زمیں ہے آسماں ہے
مگر وہ چاہنے والا کہاں ہے

میں تجھ سے زندگی ہارا نہیں ہوں
ابھی تو حوصلہ میرا جواں ہے

کبھی تو غور سے پڑھ لو اسے بھی
مِری دیوانگی کی داستاں ہے

نشیمن ادھ جلا سا شاخِ گُل پر
یہ میری زندگی کا ترجُماں ہے

جو ہوگا حشر میں ہوگا وہ لیکن
ہماری زندگی بھی امتحاں ہے

نہ تو راہی نہ رہبر اور نہ رہزن
تجھے پھر کیوں تلاشِ کارواں ہے

سلیقہ جس کو جینے کا نہ آیا
پھر اُس کی زندگی بارِ گراں ہے

ترا دعویٰ کہ تو حق گو ہے ناصح!
زمانہ تجھ سے لیکن بدگماں ہے

بہت مشکل ہے یارو یہ سمجھنا
یہاں پر کون کس کا پاسباں ہے

وطن سے اُڑ گئی سونے کی چڑیا
مگر اب بھی وطن جنت نشاں ہے

سجھائی کیوں نہیں دیتی ہیں راہیں
ہماری زندگی صا برِ دھواں ہے

تیرا وعدہ وفا نہیں ہوتا
مطمئن دل مرا نہیں ہوتا

یاد تیری جدا نہیں ہوتی
ورنہ ہونے کو کیا نہیں ہوتا

کون رہبر ہے، کون رہزن ہے
چہرہ چہرہ لکھا نہیں ہوتا

سب جدا ہو گئے ہیں ائے صابر
اک ترا غم جدا نہیں ہوتا

مجھ سے مل پہلے سے مجھ کو جان کر
پھر مرے ہمدم مرا ارمان کر

تیری یہ خاموشیاں تو ظلم ہیں
مجھ پہ میرے حال پہ احسان کر

حالِ دِل میں نے سنایا آپ کو
اپنا مونس، اپنا محسن جان کر

یہ حِنائی ہاتھ خونیں تو نہیں؟
میری مشکل کو ذرا آسان کر

شکل میں اِنسان کی شیطان ہیں
دوستی کر، دیکھ کر پہچان کر

تجھ سے ملنے پہنچے صابر شہر میں
ہر گلی کی خاک کو ہم چھان کر

دوستی، اُن کی مُلاقات سے آگے نہ بڑھی
چاندنی جیسے کسی رات سے آگے نہ بڑھی

کتنے پیچیدہ مسائل سے پریشان ہوئے
قوم فرسودہ روایات سے آگے نہ بڑھی

دین کو لوگ سیاست سے جُدا کرتے ہیں
فکر محدود خیالات سے آگے نہ بڑھی

دست انساں نے بہت اُس کو بچایا لیکن
زندگی موت کے خطرات سے آگے نہ بڑھی

اب وہی قوم کی تقدیر بنے بیٹھے ہیں
رہبری جن کی فسادات سے آگے نہ بڑھی

زندگی کے لئے تدبیر بھی کرتا صابر
شاعری تیری مناجات سے آگے نہ بڑھی

لگے تھے لوگ فقط شور ہی مچانے میں
نہ آیا کام کوئی آگ کے بجھانے میں

سُنا تو آنکھ کے آنسو نہ تھم سکے میرے
بلا کا درد بھرا تھا ترے فسانے میں

کھُلی نظر سے کبھی آپ دیکھئے تو سہی
بہت سی خوبیاں مل جائیں گی دِوانے میں

کہ اُٹھ رہا ہے دھواں نفرتوں کا ہر جانب
یہ کس نے آگ لگا دی ہے آشیانے میں

نہ مٹ سکا ہے مگر ذہن و دل سے تیرا خیال
کِئے ہیں لاکھ جتن تیرے غم بھُلانے میں

نصیب اس کے تھی ایمان کی مفلسی صابر
ہر ایک چیز تھی قارون کے خزانے میں

کچھ ایسی اداؤں سے گلشن میں بہار آئی
جیسے کوئی دوشیزہ لینے لگے انگڑائی

اُس جشنِ بہاراں کی پھر یاد مجھے آئی
پھر میں نے سُنی جیسے اِک درد کی شہنائی

مہلت جو ملے تم کو، مجھ کو بھی بتا دینا
یہ ہوش و خرد والے کیوں ہو گئے سودائی

تسکینِ محبت بھی، توہینِ محبت ہے
بھونرے کی وفا آخر کب پھول کو راس آئی

اے بھولنے والے تو کر یاد وہی وعدہ
جب ساتھ نبھانے کی تھی تو نے قسم کھائی

جب دل سے ترے غم کا رشتہ ہی نہیں کوئی
رودادِ الم سن کر کیوں آنکھ یہ بھر آئی

شاعر بھی، سخنور بھی، اب وہ ہیں زمانے میں
کرتے ہیں غزل میں جو بس قافیہ پیمائی

اِس شہر میں کیوں ترا ہمدرد نہیں کوئی
کِس موڑ پہ لے آئی صابر تجھے تنہائی

آن اپنی جگہ شان اپنی جگہ
ایک انساں کی پہچان اپنی جگہ

چاند سورج کی پہچان اپنی جگہ
ایک مومن کا ایمان اپنی جگہ

ساری دنیا کے احسان ہیں اک طرف
کملی ﷺ والے کے احسان اپنی جگہ

یوں زمیں پر تو اترے صحیفے بہت
سارے عالم میں قرآن اپنی جگہ

حق کی تلقین بہتیروں نے کی ہے مگر
عرشِ اعظم کا فرمان اپنی جگہ

لاکھ دنیا میں طوفان آئے مگر
نوحؑ کا تھا وہ طوفان اپنی جگہ

عیش و عشرت میں ہیں قوم کے راہبر
ملک و ملت کا بحران اپنی جگہ

دو رخی شخصیت سامنے دیکھ کر
آئینہ بھی ہے حیران اپنی جگہ

کچھ تو حالات سے ہم بھی خاموش تھے
وہ بھی بیٹھے تھے انجان اپنی جگہ

آرزو کس کی دنیا میں پوری ہوئی
دل میں پلتے ہیں ارمان اپنی جگہ

خود کو چالاک صابر سمجھنے لگا
دورِ حاضر کا انسان اپنی جگہ

افسانہ نہیں ہے یہ کوئی تاج محل کا
یہ ذکر ہے میرا، مرے محبوب غزل کا

میں نے سے لکھی اپنی حکایت یہ قفس میں
یاد آگئے نہیں عکس یہاں شیش محل کا

پیکر ہے کہ پانی میں نہاتا ہوا سورج
چہرہ ہے کہ کھلتا ہوا اک پھول کنول کا

تفصیل سے اُس سے کئی باتیں بھی ہوئی تھیں
پوچھا نہ پتہ میں نے مگر شوخ سجل کا

صابر ہے زمیں کیسی کہ مضموں نہیں آتے
ہو جائے غزل پوری تو کچھ ذہن ہو ہلکا

چمن سے، پھول سے، خوشبو سے، پیار کر دیکھو
غمِ حیات کے گیسو سنوار کر دیکھو

مہیب درد کے لمحے گزر ہی جائیں گے
کسی کے آنے کا تم انتظار کر دیکھو

تمہارے نام سے تم کو کوئی پکارے گا
کہ اُس حویلی میں خود کو پکار کر دیکھو

بنائی جاتی ہے منزل خود اعتمادی سے
کہ نیک راہ ذرا اختیار کر دیکھو

تم اپنی ذات میں اک انقلاب پاؤ گے
طوافِ کعبہ اگر ایک بار کر دیکھو

مُحاسبہ تو کرو اپنے آپ کا صابر
کہ آبگینے میں خود کو اُتار کر دیکھو

قسمت نے کیا مذاق کیا زندگی کے ساتھ
اک دِل ہزار خواہشیں ہیں آدمی کے ساتھ

غم ساتھ ساتھ چلتا ہے اس زندگی کے ساتھ
جیسے چکور چاند کے، اور چاندنی کے ساتھ

کوئی کسی کے ساتھ ہے کوئی کسی کے ساتھ
بھونرے کے ساتھ پھول تو ٹہنی کلی کے ساتھ

اس بات پر ہی زہر کے پیالے ملے انھیں
وہ میکدے گئے تھے بڑی خوش دلی کے ساتھ

وہ حوصلے کہاں گئے، جرأت کہاں گئی
ہم لوگ جی رہے ہیں بڑی بے دلی کے ساتھ

پیاسا دکھائی دیتا ہے خود بحرِ بیکراں
اُمید باندھیے نہ بڑے آدمی کے ساتھ

حق کی صدا کے ساتھ ہی باطل سمٹ گیا
کب تیرگی کا ساتھ رہا روشنی کے ساتھ

صابر ہے اس صدی کی یہ سوغات کیا کہیں
اب آدمی کا ساتھ نہیں آدمی کے ساتھ

چمکے باطل کا ستارا مجھے منظور نہیں
ظلم دنیا کو ہو پیارا مجھے منظور نہیں

آنکھ روتی ہو جسے دیکھ کے دل روتا ہو
ایسے منظر کا نظارا مجھے منظور نہیں

بے حیائی کے سمندر میں ملا جاتا ہے
نئی تہذیب کا دھارا "مجھے منظور نہیں"

مجھ کو معلوم ہے پرسش ہے وہاں ہر پل کی
عیش و عشرت میں گزارا مجھے منظور نہیں

کشتیٔ عزم سفر آ کے جہاں رک جائے
دوستو ایسا کنارا مجھے منظور نہیں

ڈوب جاتی ہے تو ڈوبے میری کشتی لیکن
کوئی کم ظرف سہارا مجھے منظور نہیں

کیوں زندگی کو غم میں ڈبونے لگے ہیں ہم
یہ کِس کے حالِ زار پہ رونے لگے ہیں ہم

زخموں کے پھول چُن کے پرونے لگے ہیں ہم
کیا ہو گیا کہ خود کو ہی کھونے لگے ہیں ہم

غفلت کی نیند جب سے کہ سونے لگے ہیں ہم
اپنا وقارِ زندگی کھونے لگے ہیں ہم

امن و اماں کی فصل چمن میں اُگائیں گے
مہر و وفا کے بیج جو بونے لگے ہیں ہم

داغِ جگر تو اشکِ ندامت نہ دھو سکے
دامنِ غمِ حیات کا دھونے لگے ہیں ہم

صابرؔ یہ معجزہ نہیں معراجِ عشق ہے
اُن کو لگی ہے چوٹ تو رونے لگے ہیں ہم

سوئے گُلشن میں دبے پاؤں ہے آتی خوشبو
پتّے پتّے میں مہک اپنی جگاتی خوشبو

کوئی مسجد ہو، کوئی دیر یا بُت خانہ ہو
اپنا کردار ہے خوبی سے نبھاتی خوشبو

دیکھتا جب ہوں کتابوں میں رکھے پھُولوں کو
گزُرے لمحوں کی حسیں یاد دلاتی خوشبو

کوئی زنجیر اسے قید نہیں کر سکتی
پھیل جائے تو کہاں ہاتھ ہے آتی خوشبو

اُس کو اپنے سے پرائے سے نہیں کوئی غرض
دہر میں چارسو تفریق مٹاتی خوشبو

اپنے ہمراہ لئے دستِ صبا جاتا ہے
لَوٹ کر پھُول میں واپس نہیں آتی خوشبو

اُس کے آنے سے مہک جاتا ہے صابر یہ چمن
اپنے ہونے کا ہے احساس دلاتی خوشبو

وطن کی آبرو کو وہ ذلیل و خوار کردیں گے
کہ رسوا آدمیت کو سرِ بازار کردیں گے

تشدّد، قتل، ہنگامے تو ہم سے ہو نہیں سکتے
یہ سارا کام اپنے دیش کے غدّار کریں گے

ہمیں مشکوک نظروں سے نہ دیکھو گلستاں والو
زمیں کو خونِ دل سے ہم گل و گلزار کردیں گے

زمانہ چاہے جتنی بھی لگا لے ہم پہ پابندی
کھلے لفظوں میں اپنے پیار کا اظہار کردیں گے

نہ سمجھو ناتواں اتنا ہمیں دار و رسن والو
سہیں گے ظلم اک حد تک پلٹ کر وار کردیں گے

پُرانا واسطہ ہے میرا ان ماضی کی گلیوں سے
سبھی یادوں کو تازہ یہ در و دیوار کردیں گے

جو تیرا ساتھ دیگا یہ جنون شوق اے صابرؔ
یہی طوفاں تلاطم تیرا بیڑا پار کردیں گے

وہ امن کی کرتے تو ہیں تقریر ہمیشہ
ہاتھوں میں لئے پھرتے ہیں شمشیر ہمیشہ

تدبیر ہی کام آئی نہ تقدیر ہمیشہ
اُلٹی ہی رہی خواب کی تعبیر ہمیشہ

قائم نہ رہے گی کوئی زنجیر ہمیشہ
رہ جائے گا بس عدلِ جہانگیر ہمیشہ

تجھ سے تو کوئی ربط و تعلق نہیں میرا
رہتی ہے نظر میں تری تصویر ہمیشہ

اخبار میں آتا رہے یہ اسمِ مبارک
ملتی رہے اس نام کو تشہیر ہمیشہ

صابرؔ یہی اسبابِ سخن ساتھ رہے گا
رہ جائے گی باقی یہی جاگیر ہمیشہ

ہر چند ہم پہ دہر کے ظلم و ستم رہے
کچھ ان سے بھی سوا ترے یارب کرم رہے

عزم و عمل سے ہم نے سنواری ہے زندگی
پھر بھی رہِ حیات میں کچھ پیچ و خم رہے

مثلِ حسین ہم بھی رہِ حق پہ جان دیں
ہو جائیں یوں شہید کہ قاتل کو غم رہے

جتنے جری تھے پی گئے تلخابۂ حیات
ہاتھوں میں بزدلوں کے کہاں جام جم رہے

قارون کے خزانے سبھی ختم ہو گئے
باقی یہ تخت و تاج نہ جاہ و حشم رہے

رکنے نہ پایا اپنا یہ تخلیق کا سفر
کاغذ رہے نہ ہاتھ میں اپنے قلم رہے

کیا بات تھی اُفق پہ دمکتا تھا آفتاب
صابرؔ کرن کرن سے بھی محروم ہم رہے

گردشِ وقت کا بازار مرے سامنے ہے
اے زمانے تیری رفتار مرے سامنے ہے

دَورِ حاضر کا یہ معمار مرے سامنے ہے
میری اِس قوم کا کردار مرے سامنے ہے

کل جو خبریں تھیں چھپی، ہیں وہی خبریں اب بھی
آج کا تازہ یہ اخبار مرے سامنے ہے

حُسنِ اخلاق سے اپنے، میں گرا دوں گا اُسے
تیرے نفرت کی جو دیوار مرے سامنے ہے

اس سے کیا حرفِ شکایت میں کروں گا صابرؔ
میرا محسن، مرا غم خوار مرے سامنے ہے

ماتھے پہ وقت کے ہے شکن کچھ تو سوچئے
کیوں ہو رہی ہے دل میں چبھن کچھ تو سوچئے

پہنو گے ایک روز کفن کچھ تو سوچئے
کھا جائے گی زمیں یہ بدن کچھ تو سوچئے

جنّت کی نعمتوں کو فراموش کر کے ہم
ہیں لذّتِ جہاں میں مگن کچھ تو سوچئے

کس نے لگائی آگ یہ نفرت کی چارسو
کیوں جل رہا ہے اپنا چمن کچھ تو سوچئے

کیا مقصدِ حیات ہے، کیا مقصدِ وجود
کیوں سوچتا نہیں ہے یہ من کچھ تو سوچئے

عقبیٰ کا کچھ خیال بھی صابرؔ نہیں رہا
طاری ہے ہم پہ کیسی تھکن کچھ تو سوچئے

شیخ جی کی شخصیت تھی جانی پہچانی ہوئی
دیکھ کر کل میکدے میں ہم کو حیرانی ہوئی

پستیٔ انسانیت کو دیکھ کر دل جل اُٹھا
آگ جب سینے میں پہنچی شرم سے پانی ہوئی

زندگی کے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھ کر
اپنے قول و فعل پر ہم کو پشیمانی ہوئی

زندگی کے دشت میں کیا کیا اُجالے گُم ہوئے
درد کی آندھی چلی اور رات طوفانی ہوئی

تجربوں سے علم، اچھے اور بُرے کا ہو گیا
اور ذہنوں کے سمجھنے میں بھی آسانی ہوئی

اپنے مقصد میں بظاہر ہو گئے وہ کامیاب
ویسے من مانی میں صابرؔ اُن کی نادانی ہوئی

جانے کون کہتا ہے وہ یہاں نہیں مِلتا
ڈھونڈیئے ذرا اُس کو وہ کہاں نہیں مِلتا

نام جس کا قدرت ہے یہ بھی اُس کی حکمت ہے
اک حقیر ذرّہ بھی رائیگاں نہیں مِلتا

ڈھونڈتے ہی پھرتے ہیں مدّتوں سے ہم تنہا
منزلوں پہ بچھڑا تھا کارواں نہیں مِلتا

آدمی تو ملتے ہیں شہر کے جھمیلے میں
اور آدمیت کا کچھ نشاں نہیں مِلتا

ضد ہے میرے بچّے کی چاند تارے لاؤں میں
ہاتھ کے اُٹھانے سے آسماں نہیں مِلتا

یہ ستم ظریفی ہے اپنے وقت کی صابر
ہم نشیں تو ملتے ہیں ہم زباں نہیں مِلتا

تیرگی ظلم کی دنیا سے مٹانے والے
پرچمِ حق ہیں ہمیں لوگ اٹھانے والے

ہم ارادوں کو ہمیشہ ہی جواں رکھتے ہیں
یہ سمجھ لیں ہمیں رستے سے ہٹانے والے

کیسے نادان ہیں سورج کو دکھاتے ہیں چراغ
آگ سے کھیلتے ہیں برف گھرانے والے

خود ہی آجائیں گے طوفان کی زد میں اک دن
کیوں نہیں سوچتے طوفان اٹھانے والے

اس گرج سے کبھی بارش نہیں ہونے والی
یہ تو بادل ہیں فقط شور مچانے والے

ہم نے پتھر سے بھی پھولوں کو اُگایا صابرؔ
ہم ہیں انسان کو انسان بنانے والے

مزاجِ وقت، ہمیں سازگار کرنا ہے
یہ کام وہ ہے جسے بار بار کرنا ہے

جفا کے بدلے وفائیں انہیں سکھانی ہیں
یہی اُصول ہمیں اختیار کرنا ہے

تم اپنے خود پہ ذرا اعتماد بھی کر لو
ہماری بات کا گر اعتبار کرنا ہے

فریب و مکر کے ہر داؤ کو اُلٹتے ہوئے
شکاریوں کا ہمیں بھی شکار کرنا ہے

میں اپنی عمر کی کشتی کا خود کھویّا ہوں
مجھے ہی کالے سمندر کو پار کرنا ہے

جو لوگ سوئے ہیں غفلت کی نیند اے صابرؔ
ہمارا کام انھیں ہوشیار کرنا ہے

اُس صدی میں خطرہ تھا، اس صدی سے خطرہ ہے
زندگی کو ہر لمحہ، ہر گھڑی سے خطرہ ہے

نفرتیں، تعصّب، شر، قتلِ عام، خوں ریزی
آدمی کو اپنی ہی کج روی سے خطرہ ہے

دُشمنِ خِرد ہوگا وہ جو یوں سمجھتا ہے
تیرگی مُحافظ ہے، روشنی سے خطرہ ہے

کیا سیاہ بختی ہے، کِس قدر یہ پستی ہے
آدمی کو دُنیا میں آدمی سے خطرہ ہے

اُن سے مل کے یہ خود بھی ہو رہا ہے آلودہ
آج کل سمندر کو ہر ندی سے خطرہ ہے

قوم کی تباہی کا ہو چکا یقیں ہم کو
رہبرانِ ملّت کی رہبری سے خطرہ ہے

ناخداؤ ساحل پر کشتیوں کو لے آؤ
سر اُٹھاتی موجوں کی سرکشی سے خطرہ ہے

میرے گھر اگر آنا چاند بن کے مت آنا
مجھ کو اپنے ماضی کی چاندنی سے خطرہ ہے

چاہتیں کہیں صابر کھل نہ جائیں غیروں پر
ہم کو اپنی نظروں کی مخبری سے خطرہ ہے

نغمہ ہے، ساز ہے، نہ گل نو بہار ہے
رت خوش گوار ہے، نہ فضا سازگار ہے

یارب یہ کیسی گردشِ لیل و نہار ہے
ہر فرد مبتلائے غمِ روزگار ہے

دل بے قرار ہے مرا دل بے قرار ہے
اب آبھی جا کہ مجھ کو ترا انتظار ہے

اک آشیاں جلا تو کئی آشیاں بنے
قادر ہر ایک چیز پہ پروردگار ہے

اب میکدہ میں تیرے رہوں یا نہیں رہوں
ساقی تیری پسند ترا اختیار ہے

عشّاق میں تمہارے ہے صابرؔ کا نام بھی
اس کیلئے یہ باعثِ صد افتخار ہے

ہم تری راہ میں مٹنے کی لگن رکھتے ہیں
اپنی نظروں میں فقط دار و رسن رکھتے ہیں

لوگ کیوں ایسا روا اپنا چلن رکھتے ہیں
بُغض سینے میں نگاہوں میں چُبھن رکھتے ہیں

ایسے افراد سے اللہ بچائے سب کو
روح شیطان کی انساں کا بدن رکھتے ہیں

دوڑ میں اپنی بہت پیچھے وہ رہ جاتے ہیں
وہ جو ذہنوں میں ہمیشہ ہی تھکن رکھتے ہیں

موت کیا ہم کو ڈرا پائے گی صابر کہ سدا
سر سے باندھے ہوئے ہم لوگ کفن رکھتے ہیں

اُڑ گیا ہے رنگ کِس لئے
آئینے سے جنگ کِس لئے

دل ہوا ہے تنگ کِس لئے
لگ گیا ہے زنگ کِس لئے

بات یہ سمجھ سکے نہ ہم
بھائیوں میں جنگ کِس لئے

سانس کی جو ڈور ہی نہ ہو
جِسم کی پتنگ کِس لئے

فرض تو ادا نہ کر سکا
حرفِ عذرِ لنگ کِس لئے

چار دن کی زندگی تو ہے
رنگ اور ترنگ کِس لئے

حسیں، خوبصورت، بہانے بہت ہیں
غمِ زندگی کے فسانے بہت ہیں

تشدّد، تنفّر، تبدّل، تعصب
تباہی کے یہ کارخانے بہت ہیں

سویرا صباحت کا ڈیرہ اُٹھالے
میری شام کے شامیانے بہت ہیں

جلاکر نشیمن مرا خوش نہ ہونا
چمن میں ابھی آشیانے بہت ہیں

یہیں سے گزرتا ہے افلاسِ عالم
اسی راستے میں خزانے بہت ہیں

مسرّت کہاں آج کی زندگی میں
بہانے کو آنسو، بہانے بہت ہیں

رفیقوں کا جمگھٹ وہاں پر ہے صابر
ٹھہر جاؤں گا میں ٹھکانے بہت ہیں

ایسی نسبت ہے گل سے شبنم کو
زخم سے جیسے ربط مرہم کو

زندگی پیچ و خم میں اُلجھی ہے
کیسے سُلجھائیں زلفِ برہم کو

آدمیت ہی اپنی کھو بیٹھا
کیا ہوا آج ابنِ آدم کو

حقّ و باطل میں فرق کیا کچھ ہے
کوئی سمجھائے میرے ہمدم کو

شُکر ترا کبھی بجا لاتے
اتنی فرصت ملی نہیں ہم کو

غم کا احساس اُن کو ہوتا ہے
جو سمجھتے ہیں عظمتِ غم کو

آنسوؤں سے تم اپنے اپنے صابر
کیا بجھاؤ گے آتشِ غم کو

میری حیات مجھ کو یہ اعجاز دے گئی
ہاتھوں میں میرے بجتا ہوا ساز دے گئی

تیری حسین یاد بھی تجھ سے تو کم نہ تھی
میرے شعور و فکر کو پرواز دے گئی

صحبت تمہارے پیار کی کیا کچھ سکھا گئی
احوالِ غم سُنانے کا اندار دے گئی

احسان مجھ پہ ہے مری اُردو زبان کا
جینے کے واسطے مجھے اک "کاز" دے گئی

صابر خوشی ملے جو وہ اوروں میں بانٹنا
وہ جاتے جاتے جینے کا انداز دے گئی

آدمی ٹھوکریں کھاتا ہے سنبھل جاتا ہے
اس طرح جینے کا انداز بدل جاتا ہے

اُس کے آنے کی پھر اُمیّد کہاں رہتی ہے
زندگی سے کوئی لمحہ جو نکل جاتا ہے

میری نظروں سے میرے دل میں سمانے والے
دل تجھے دیکھ کے ہاتھوں سے نکل جاتا ہے

اس کے تیور کو بھلا کون سمجھ پائے گا
اس کا لہجہ تو ہر اک پل میں بدل جاتا ہے

مری حق گوئی بہت تلخ بیاں رکھتی ہے
میرا لہجہ میرے احباب کو کھل جاتا ہے

موم کی طرح یہاں عمر کا اِک اِک لمحہ
وقت کی تیز تمازت سے پگھل جاتا ہے

آگ ہو جاتی ہے گلزار جو ہو فضلِ خدا
وہ جو چاہے تو بُرا وقت بھی ٹل جاتا ہے

نام و نمود کے لئے کردار بک گئے
شاعر بکے، ادیب و قلمکار بک گئے

اِس دَورِ انحطاط کا عالم نہ پوچھئے
مٹی کے مول ہیروں کے انبار بک گئے

بلوا، فساد، خون، تشدّد کی دوڑ میں
لمحوں میں کالی صبح کے اخبار بک گئے

اب تو وفا، خلوص کا نام و نشاں نہیں
بکتے تھے یہ جہاں وہی بازار بک گئے

اسلاف کی نشانی تھا اک گھر اُجڑ گیا
جو بچ گئے تھے وہ در و دیوار بک گئے

گمنام ہم تھے اس لئے صابرؔ بچے رہے
شہرت کی بھیڑ میں کئی فنکار بک گئے

گامزن میں رہا راہ پر
پُر خطر تھی مری ہر ڈگر

کوئی رہ زن نہ تھا راہ بر
عزمِ محکم رہا ہم سفر

ہو بُرائی سے کیسے مفر
ساتھ شر کے بنا ہے بشر

راہ اُلفت کی ہے پُر خطر
پاؤں رکھنا ذرا دیکھ کر

حُسن فانی ہے مٹ جائیگا
خوش نہ ہو آئینہ دیکھ کر

کیوں نہ نکھرے غزل کا بدن
دے رہا ہوں میں خونِ جگر

دِل کو ملول، آنکھوں کو نم دیدہ کر دیا
مجھ کو خیالِ یار نے رنجیدہ کر دیا

عہدِ غمِ فراق بھلایا نہ جا سکا
غم اِس قدر ملے مجھے سنجیدہ کر دیا

اتنا مجھے سبھی نے پڑھا ہے ورق ورق
ساری کتابِ زیست کو بوسیدہ کر دیا

کوئی بھی مری اُلجھنیں سُلجھا نہ پائے گا
اُس نے مری حیات کو پیچیدہ کر دیا

صابر عجیب بات تھی اُس کے وجود کی
بچھڑا تو سارے شہر کو نم دیدہ کر دیا

ہم لوگ کہ تقدیر پہ رویا نہیں کرتے!
ہاتھوں کی لکیروں میں ہی کھویا نہیں کرتے!

جو فصل اُگاتے ہیں محبت کی ہمیشہ
نفرت کا کوئی بیج وہ بویا نہیں کرتے!

رہتی ہے نظر جن کی زمانے کی روش پر
آرام سے بستر پہ وہ سویا نہیں کرتے!

ساحل سے ہی کرتے ہیں جو طوفاں کا نظارہ
وہ ڈوبنے والوں پہ بھی رویا نہیں کرتے!

پھولوں کو بناتے ہیں سبھی ہار گلے کا
کانٹے کبھی دھاگوں میں پرویا نہیں کرتے!

احباب کے زخموں کو چھپا لیتے ہیں دل میں
ہم بیج شکایات کے بویا نہیں کرتے!

ظالم یہ کیا ملا تجھے سب توڑ تاڑ کے
امن و امان شہر کا میرے بگاڑ کے

پودا خلوص کا میں لگا کر تھا مطمئن
یہ کون خوش ہوا میرا گلشن اجاڑ کے

اپنی بساطِ ذات کو وہ جان جائے گا
اِک دن تو اونٹ آئے گا نیچے پہاڑ کے

شہرت کی بھیک مانگتے پھرتے ہیں آج لوگ
اس شہر سادہ لوح کا چہرہ بگاڑ کے

وہ شخص کامیاب ہے صابرؔ جہان میں
رکھا ہے جس نے اپنی انا کو پچھاڑ کے

کوئی عنوان دو فسانے کو
راہ مل جائے گی زمانے کو

ہر قدم پر ہے حادثوں کا نزول
لوگ ڈرتے ہیں مسکرانے کو

ساتھ دشمن کے دوست بھی خوش تھے
جب لگی آگ آشیانے کو

آگیا وہ فساد کی زد میں
شہر آیا تھا وہ کمانے کو

مل گئی مجھ کو دولتِ ایماں
کیا کروں گا کسی خزانے کو

اُن کا آنا بھی اک قیامت ہے
آگ لگ جائے ایسے آنے کو

خود کے چہرے کا جن کو ہوش نہیں
وہ چلے آئینہ دکھانے کو

تو نہ جو کر سکے وہ کام نہ لے
اپنے ہاتھوں میں انتظام نہ لے

اُس کو ساقی نہیں کہا جائے
گرنے والے کو گر، وہ تھام نہ لے

ہے تقاضہ اُٹھا لے تیغ و تبر
ہاتھ میں تو صراحی جام نہ لے

عشق قربانیاں تو مانگے گا
عشق میں حوصلوں کا دام نہ لے

اپنے جلوؤں سے مجھ کو بیخود کر
ہوش لے لے مگر تمام نہ لے

تیر تنقید کے تو برسیں گے
بُردباری سے گر تو کام نہ لے

حسنِ کردار ساتھ رکھ صابر
ہاتھ میں تیغِ بے نیام نہ لے

رنگین تیرے لہجے کو ہم نام غزل دیں گے
لفظوں کا بنا کر ہم اک تاج محل دیں گے

دنیا تری صورت کی رنگت ہی بدل دیں گے
ان سارے مسائل کا حق والے ہی حل دیں گے

تخریب کی باتوں سے باز آؤ تو بہتر ہے
تعمیر کے متوالے باطل کو کچل دیں گے

یہ خار ہیں نفرت کے گلشن سے ہٹا کر ہم
ہاتھوں میں سبھی کے پھر الفت کے کنول دیں گے

ظالم کو بتا دیجئے کمزور نہیں ہیں ہم
گر جاگ اٹھیں گے تو جب چاہے مسل دیں گے

یہ ناگ ہیں زہریلے کیوں دودھ پلاتے ہو
کچھ کہہ نہیں سکتے کب یہ زہر اگل دیں گے

صابرؔ یہ حقیقت ہے فطرت کا تقاضہ بھی
جن پیڑوں میں پھول آئیں وہ پیڑ ہی پھل دیں گے

رات ایسے بھی مجھ کو خواب آئے
سوکھی ڈالی پہ بھی گلاب آئے

اُن کے جلوؤں کی تاب کیا لاتے
وہ جو آئے تو بے نقاب آئے

یاد آیا کھِلا کھِلا چہرہ
شاخ پر جب کبھی گلاب آئے

داستاں سب بکھر دیتے ہیں
ہاتھ بچوّں کے جب کتاب آئے

زندگی مانا چار دن کی ہے
چار دن کا بھی تو حساب آئے

خونِ ناحق زمیں پہ بہتا ہے
آسمانوں سے پھر عذاب آئے

وہ چاندنی، وہ چاند کے ہالے نہیں رہے
افسوس زندگی میں اُجالے نہیں رہے

ہے کس کو یاد اب انا الحق کی داستاں
دار و رسن کے چاہنے والے نہیں رہے

تاریکیوں میں جھوٹ کی گم ہو گیا جہاں
سچائیوں کے آہ اُجالے نہیں رہے

ہر عہدِ انقلاب کے بانی رہے ہیں ہم
پھر کیوں نصاب میں یہ حوالے نہیں رہے

ساحل پہ آ کے اپنے سفینے جلا دیئے
ہم میں مگر وہ موت کے پالے نہیں رہے

میلادِ مصطفےٰ ﷺ کا فقط جشن رہ گیا
لیکن نبی ﷺ کے چاہنے والے نہیں رہے

صابر وہ حادثہ بھی مسافت کا تھا عجب
"منزل ملی تو پاؤں کے چھالے نہیں رہے"

شمع سینے میں وفاؤں کی جلاتے رہیئے
تیرگی ظلم کی دنیا سے مٹاتے رہیئے

زندگی نکھرے گی اخلاق سنور جائیں گے
اپنے دامن کو گناہوں سے بچاتے رہیئے

سربلندی کی تمنّا ہی اگر ہو مقصود
دین کی راہ میں سر اپنا کٹاتے رہیئے

جا بجا راہ میں شیطان بھی ساتھ آتا ہے
جو بھی گرتا ہوا سے بڑھ کے اٹھاتے رہیئے

اُن کا جو کام ہے وہ کرتے رہیں گے صابرؔ
آپ پیغامِ محبت ہی سناتے رہیئے

اقرار کرے ہے کبھی انکار کرے ہے
ہر دن یہ تماشہ مرا دلدار کرے ہے

کیا ہو گیا کیوں جرم کا اقرار کرے ہے
قاتل بھی پشیمانی کا اظہار کرے ہے

اچھا یا بُرا جو کرے کردار کرے ہے
انسان کو انسان کا معیار کرے ہے

خاطر میں نہیں لاتا جو امواج مصائب
اس عمر کے دریا کو وہی پار کرے ہے

اک ساتھ ہی رہتے تھے کبھی مل کے دو بھائی
اظہار ترے صحن کی دیوار کرے ہے

رشتوں میں بھی دنیا کی ہوس بڑھ گئی صابر
اک بھائی بھی بھائی پہ یہاں وار کرے ہے

دریا کے تموّج سے گزر کر تو ذرا دیکھ
سورج کی طرح تو بھی اُبھر کر تو ذرا دیکھ

کیا جال شکاری نے بچھائے ہیں زمیں پر
پربت سے تکبّر کے اُتر کر تو ذرا دیکھ

چرچے ترے اوصاف کے بھی ہونے لگیں گے
خوشبو کی طرح خود میں بکھر کر تو ذرا دیکھ

دنیا میں کسی کا بھی رہے گا نہ تجھے ڈر
اللہ کی اک ذات سے ڈر کر تو ذرا دیکھ

احساسِ پشیمانی بھی بن جاتا ہے اک بوجھ
محبوب کے وعدے سے مکر کر تو ذرا دیکھ

جو گھاؤ تھے تلوار کے سب بھر گئے صابرؔ
اب زخم یہ احباب کے بھر کر تو ذرا دیکھ

یہ مغنی آج کیسا گا رہا ہے
کلیجہ میرے مُنہ کو آرہا ہے

پتنگا شمع کی آتش میں جلکر
سزا جرم وفا کی پا رہا ہے

چمن میں فصلِ گُل کیا آرہی ہے
زباں پر نام تیرا آرہا ہے

وہی میں ہوں زمیں بھی آسماں بھی
زمانہ ہے کہ بدلا جارہا ہے

چمن کو اُس نے سینچا خونِ دل سے
چمن سے وہ نکالا جارہا ہے

میرے آنے تلک تم ٹھہر جانا
میں آؤں گا مرا وعدہ رہا ہے

نہ جانے تشنگی کیسی تھی صابر
سمندر پی کے بھی پیاسا رہا ہے

اشکِ مظلوم کی آنکھوں سے جو ڈھل جائیں گے
خشک دریا بھی سمندر میں بدل جائیں گے

اپنی تقدیر پہ رونے سے بھلا کیا حاصل
خود جو بدلو تو زمانے بھی بدل جائیں گے

تجربہ ہوگا وہ گرتے ہیں اگر گرنے دیں
گرنے والے ہی تو اک روز سنبھل جائیں گے

موم کے جسم لئے گھر سے نکلتے کیوں ہو
دھوپ کی تیز تمازت سے پگھل جائیں گے

میرے نغموں میں چھپے درد کو سن کر صابر
آدمی کیا ہے، کہ پتھر بھی پگھل جائیں گے

گرتے ہیں سنبھلتے ہیں حادثوں میں پلتے ہیں
منزلوں کے متوالے اپنی راہ چلتے ہیں

ہم کہ اپنی پلکوں سے خار تک اٹھاتے ہیں
آپ ہیں کہ پھولوں کو پاؤں سے مسلتے ہیں

لوٹ کر نہیں آتا جب یہ وقت جاتا ہے
وقت کے شناسا کب اپنے ہاتھ ملتے ہیں

رہنمائے ملّت ہوں، یا ہوں قوم کے رہبر
وقت کی ہواؤں پر اپنا رُخ بدلتے ہیں

یہ صفت بھی مومن کی کس قدر انوکھی ہے
آگ سا بھڑکتے ہیں، موم سا پگھلتے ہیں

میرا نام صابرؔ ہے میرا نام سنتے ہی
حادثے بھی گھبرا کر اپنا رُخ بدلتے ہیں

سیم و زر چاہیے نہ موتی نہ خزانہ چاہیے
بھوک چڑیا کی فقط چونچ میں دانہ چاہیے

مرا ہر لفظ، وفا اُس کو سکھانا چاہیے
اُس کا لہجہ تو مگر دل کو دُکھانا چاہیے

جو بھی آئے وہی روداد سُنانا چاہیے
اور گونگا بھی یہاں شور مچانا چاہیے

یاد گزرے ہوئے لمحوں کی سکوں دیتی ہے
عہدِ ماضی کو کوئی کیسے بھُلانا چاہیے

وہ کبھی گردشِ ایّام کا شکوہ نہ کرے
غمِ دوراں کو جو سینے سے لگانا چاہیے

آئے نظروں میں تو پھر دل میں سما بھی جائے
دل کی محفل میں جو طوفان اُٹھانا چاہیے

تیرگی کیا ہے پتہ اُس کو نہیں ہے صابر
جو کہ محفل کے چراغوں کو بجھانا چاہیے

چہرے کے پیچھے اک نیا چہرہ دکھائی دے
جو شخص بھی ملے وہ تماشہ دکھائی دے

حُسنِ نظر یہ اُس کے تو قربان جائیے
تاریکیوں میں جِس کو اُجالا دکھائی دے

قول و عمل میں اُس کے بلا کا تضاد ہے
کردار اُس کا دوستو دہرا دکھائی دے

یہ بیسویں صدی میں عجب معجزہ ہوا
قاتل جو شہر میں ہے مسیحا دکھائی دے

یہ کیا کمال ہے ترے حُسن و جمال کا
جو رنگ تو پہن لے وہ گہرا دکھائی دے

دِل کیا آئینہ ہے پڑے اُس پہ جب نظر
ہر وقت مجھ کو تیرا ہی چہرہ دکھائی دے

اپنی نظر سے خود کو بھی دیکھا نہ جا سکا
تیری نظر سے دیکھوں تو دُنیا دکھائی دے

صابر جو زندگی کے اُصولوں سے ہٹ گیا
اُس کو یہ زیست آگ کا دریا دکھائی دے

جب بھی قلم سنبھالوں، تو کاغذ دھرا رہے
اور اُس پہ صرف نام ترا ہی لکھا رہے

ہمراہ اُس کی یاد کا گر قافلہ رہے
راہِ وفا میں پھر نہ کوئی حادثہ رہے

منزل سمٹ کے آئے گی قدموں میں خود بخود
ہمراہ تیرے تیرا اگر حوصلہ رہے

مِل کر ہر اک درخت سے کہتی رہی ہَوا
بارِ ثمر سنبھالتا ہو، تو جُھکا رہے

ملتے رہو گے تم تو رہیں گی نہ رنجشیں
اب دوستی کا اپنی یہی سلسلہ رہے

گر تم نہ آؤ گے تو کوئی بھی نہ آئے گا
ممکن نہیں کہ دل میں کوئی دوسرا رہے

صابر نہ اتنا ٹوٹ کے سب سے مِلا کرو
ربط و تعلقات میں کچھ فاصلہ رہے

حُسن کا تذکرہ کرنے کا مجھے شوق نہیں
عشق کے روگ میں مرنے کا مجھے شوق نہیں

سیر کرتا ہوں مسرت کے چمن زاروں میں
غم کے دلدل میں اُترنے کا مجھے شوق نہیں

چھاؤں جس پیڑ کی منزل کو بھلا دیتی ہے
اُس کے سایہ میں ٹھہرنے کا مجھے شوق نہیں

ہر قدم موت کے سائے جہاں لہراتے ہوں
ایسی راہوں سے گزرنے کا مجھے شوق نہیں

اب وہ پہلے کی طرح چاہنے والے نہ رہے
آئینے اب تو سنورنے کا مجھے شوق نہیں

جب بھی دنیا یہ حقیقت سے مُکر جائے گی
خود فریبی کے سمندر میں اُتر جائے گی

میری آنکھوں سے مرے دل میں اُتر جائے گی
تیری صورت جو خیالوں میں اُبھر جائے گی

جتنا سلجھاؤ گے اُتنی ہی اُلجھ سکتی ہے
زندگی زلف نہیں ہے جو سنور جائے گی

جس کے سینے میں سدا مکر و حسد رہتا ہے
شخصیت اُسکی اندھیروں میں بکھر جائے گی

عیب جوئی ہی فقط جس کا ہے شیوا صابر
خود کے عیبوں پہ کہاں اُسکی نظر جائے گی

تلخ حالات کی یہ دھار رہے گی کب تک
حق و باطل میں یہ تکرار رہے گی کب تک

راہ منزل کی یہ دشوار رہے گی کب تک
زندگانی یونہی آزار رہے گی کب تک

اُٹھ کہ اب کچھ تو علاجِ غمِ دوراں کر لے
اے مری قوم تو بیمار رہے گی کب تک

رنگ لائے گا زمانے میں شہیدوں کا لہو
ظلم کے ہاتھ میں تلوار رہے گی کب تک

کیوں مساوات کے رستے میں کھڑی ہے اڑچن
اونچ اور نیچ کی دیوار رہے گی کب تک

ایک اک کر کے مرا ساتھ سبھی چھوڑ گئے
زندگی تو مری غم خوار رہے گی کب تک

دورِ نو مانگے ہے اب عزم و عمل اے صابرؔ
قوم راحت کی طلبگار رہے گی کب تک

چاہے ادھر سے دیکھو چاہے اُدھر سے دیکھو
اچھی لگے گی دنیا اس کو جدھر سے دیکھو

حُسنِ نظر سلامت ہیت جھڑ بھی پُر کشش ہے
ہر شئے کو جب بھی دیکھو اچھی نظر سے دیکھو

یہ سچ ہے ساری دنیا فانی ہے ہونے والی
ہے ذاتِ پاک باقی دل کی نظر سے دیکھو

فصلیں نہ کوئی آکر راتوں میں کاٹ جائے
کھیتوں کو اپنے اپنے اونچے شجر سے دیکھو

صابر برائیوں کو دنیا سے ہے مٹانا
لیکن یہ کام پہلے اپنے ہی گھر سے دیکھو

جب بھی بھولے سے تری یاد ہمیں آتی ہے
زندگی درد کے صحرا میں بھٹک جاتی ہے

درد کی ہو وہ گھڑی یا کہ مسرت کا سماں
لمحہ لمحہ تیری آواز ہمیں آتی ہے

یاد آتا ہے ہمیں وعدۂ فردا تیرا
اور ترے وعدۂ فردا پہ ہنسی آتی ہے

یوں ترے خواب اُتر آتے ہیں پلکوں میں مری
چاندنی جیسے کہ صحرا میں اُتر آتی ہے

تیز ہے وقت کی رفتار بہت اے صابر
دیکھتے دیکھتے ہی عمر گزر جاتی ہے

منظور مجھ کو ہے میری رسوائی دوستو
تم بن نہ کٹ سکے گی یہ تنہائی دوستو

اک پل بھی مجھ کو نیند نہیں آئی دوستو
بے چین اُن کی کر گئی ہے انگڑائی دوستو

وہ جب سے بن گئے ہیں تماشائی دوستو
اہلِ خرد کی گم ہوئی دانائی دوستو

بھیگا ہوا وہ چہرہ تصور میں آ گیا
لے آئی اُس کی یاد یہ پُروائی دوستو

اِس اجنبی سے شہر میں کیسے بسر کروں
میری نہیں کسی سے شناسائی دوستو

اب کس طرف بڑھاؤں قدم کشمکش میں ہوں
آگے کنواں ہے پیچھے مرے کھائی دوستو

ٹوٹا ہوا ہے سارے ہی رشتوں سے واسطہ
کرتا ہے وار بھائی پہ اب بھائی دوستو

صابر سے مِل کے دیکھو کہ شہرِ مفاد میں
وہ ہے خلوصِ دل کا تمنائی دوستو

پھر وہی خواب، خیالات کہاں سے لاؤں
اپنے بیتے ہوئے لمحات کہاں سے لاؤں

ہم نے کھائی تھی کبھی ساتھ نبھانے کی قسم
وہ محبّت بھرے لمحات کہاں سے لاؤں

آبگینے کی طُرح توڑ دیا دل میرا
اپنے بکھرے ہوئے جذبات کہاں سے لاؤں

زندگی کے جو اُجالے مجھے حاصل نہ ہوئے
ان کی میں تاروں بھری رات کہاں سے لاؤں

اب تو ممکن ہی نہیں لَوٹ کے آنا اُن کا
اپنے بچپن کی حکایات کہاں سے لاؤں

پھر وہی رات وہی عالمِ تنہائی ہے
اپنی وہ پہلی ملاقات کہاں سے لاؤں

اک نئے موڑ پہ پھر مل گیا مجھ سے صابر
میں مگر بھولی حکایات کہاں سے لاؤں

دُنیا ترے لئے میں سبق چھوڑ جاؤں گا
سورج کی طرح اپنی شفق چھوڑ جاؤں گا

چہرے سبھی کے بزم میں فق چھوڑ جاؤں گا
جاؤں گا میں تو اپنی رمق چھوڑ جاؤں گا

اپنی کتابِ زیست لئے جاؤں گا مگر
تیرے لئے میں ایک ورق چھوڑ جاؤں گا

میری وفا کا تجھ کو یقیں آئے گا تبھی
مٹی پہ جب میں دِل کی رمق چھوڑ جاؤں گا

خوشبو کی طرح آؤں گا چھُونے ترا بدن
چہرے پہ تیرے رنگِ شفق چھوڑ جاؤں گا

اُلجھن اگر بنوں گا تو سُلجھا نہ پاؤ گے
کردار اپنا ایسا ادق چھوڑ جاؤں گا

صابر جہاں میں ہوں گی تو میری صداقتیں
باطل کہاں رہے گا جو حق چھوڑ جاؤں گا

میں شکر گزار ہوں ...

* اپنے قابلِ احترام چچا جناب محمد بدرالدین صاحب کنٹراکٹر کا جن کی شخصی دلچسپی کی وجہ سے میرا یہ شعری مجموعہ آپ کے ہاتھوں تک پہنچ سکا۔
* محترم ڈاکٹر عقیل ہاشمی صاحب چیرمین اسٹڈیز شعبۂ اردو عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد کا جنھوں نے اپنی بے پناہ مصروفیتوں کے باوجود بڑی عرق ریزی سے میری کتاب کا پیش لفظ لکھا اور میری عزت افزائی کی۔
* میں سپاس گزار ہوں نئے اور منفرد لب و لہجہ کے مشہور و معروف شاعر محسن جلگانوی کا جن کی عملی اعانت نے اس شعری مجموعہ کو منظرِ عام پر لانے میں میری ہر طرح مدد فرمائی۔
* ساتھ ہی جمیل نظام آبادی "مدیر ماہنامہ گونج"، نظام آباد کا شکر گزار ہوں، جنہوں نے اپنے ادارہ کے زیر اہتمام اس مجموعہ کو طبع کروایا۔
* جناب سراج نرملی کا اس مجموعہ کی اشاعت کی تحریک کے لئے۔
* جناب محمد یوسف رضا صاحب کا ان کی خوبصورت خوش نویسی کے لئے
* برادرم ضیاء الدین کا دیدہ زیب سرورق کے لئے۔
* برادرم عبدالمقتدر کا جنہوں نے اس مجموعہ کی اشاعت میں مجھے پُر خلوص مشورے دیئے۔
* میں شکر گزار ہوں ــــ محترم جناب الیاس صابری صاحب، موظف لکچرار جناب ایس ایم قادری صاحب، ACTO جناب ڈاکٹر دجے موہن راؤ صاحب، جناب عزیز ظفر صاحب، جناب مسعود صاحب،

لیکچرار PD جناب محمد منیرالدین صاحب، لیکچرار جناب عبدالرحمٰن وارث صاحب، جناب کشن کھیلانی صاحب، جناب وصی احمد صاحب، جناب عبدالسلام صاحب، جناب صدیق قمر صاحب، جناب فاروق انجم صاحب، جناب غازی صلاح الدین صاحب، جناب مسرت حسین صاحب، جناب کلیم اللہ قریشی صاحب، جناب شرما صاحب، جناب بیابانی صاحب، جناب مجاہد احمد سیف صاحب، جناب طالب پرویز صاحب، لیکچرار جناب داؤد احمد صوفی صاحب، جناب عبداللطیف صاحب، جناب کلیم الدین صاحب، جناب رضوان احمد دانش صاحب، پاشاہ ابرار احمد صاحب، جناب اصغر حسین صاحب، جناب فہیم الدین صاحب، جناب ظفر صاحب، جناب اسدالدین صاحب، جناب عطاء الرحمٰن عطا صاحب، جناب عارف الدین راہی صاحب، جناب جواد احمد صاحب، جناب نظام الدین صاحب، جناب سردار خاں صاحب، جناب صادق علی صاحب، جناب ایوب صاحب، جناب اقبال سعید صاحب، ڈ.ز. شاردھم تنکلا صاحب جناب ذبیح اللہ قریشی صاحب وغیرہ اور بہت سے دوسرے احباب جن کی رفاقتوں اور صحبتوں میں میری فکر اور میرے شعری ذوق کو جِلا ملی۔

★ ساتھ ھی بزمِ اُردو ادب کاغذنگر کے اُن تمام اراکین اور اُن تمام حضرات کا جنہوں نے کسی نہ کسی طرح اس مجموعہ کی اشاعت میں میرا ساتھ دیا۔